قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری

معاون : ثریا عندلیب

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر : عطاء الرحمٰن آرائیں

طابع : خالد منصور نسیم

مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز

۳/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵

ٹیلیفون — ۴۸۵۸۲۶

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

مئی ۱۹۹۱ء

جلد ۴۴ شمارہ ۵

بدل اشتراک

سالانہ

پاکستان ——— ۱۲۰ روپے

بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر

فی پرچہ : -/۱۰ روپے

خط و کتابت

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)

۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰

ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

فہرستِ مضامین

۱ لمعات ——— ادارہ ——— ۲

۲ مَیں بہت دکھی ہوں ——— ثریا عندلیب ——— ۹

۳ پیوندی گدڑی ——— اعزاز الدین احمد خاں ——— ۱۲

۴ آبروئے ما ز نامِ مصطفٰے است ——— قاسم نوری ——— ۲۸

۵ سیاسی پارٹیاں اور اسلام ——— حنیف وجدانی ——— ۳۵

۶ حقائق و عبر ——— ادارہ ——— ۴۹

۷ قرآنی تعلیم بچوں کے لئے ——— قاسم نوری ——— ۵۱

۸ ISLAMIC SOCIAL ORDER. ——— سید عبدالودود ——— ۸۰

کتابت : خلیل ساگر

لمعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اللہ تعالیٰ نے خود کو ربّ العالمین کہا ہے ـــ اور اس کی ربّ العالمینی کا تقاضا تھا کہ وہ سب انسانوں کو ایک برابر سمجھے۔ کسی سے امتیازی سلوک اس کی صفت ربّ العالمینی اور عدل و انصاف کے خلاف ہے ۔ اس نے جب خود کو سب کے رزق کا ذمّہ دار کہا تو اس میں کسی کی تخصیص نہیں کی ـــ اس نے ساری انسانیّت کو اُمّتِ واحدہ قرار دیا۔ کان النّاس امّۃ واحدۃ ۔ انسانیّت کی وحدت خدا کی وحدانیّت کا ہی مظہر ہے۔ لیکن جب ہم اس کرۂ ارض کے کاروانِ انسانیّت کے سفر پہ نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں پر انسانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ہمیشہ اپنے ہی جیسے انسانوں کے ہاتھوں دبا ہوا پِسا ہوا، محکوم و مجبور رہا۔ ایک اقلیت کے ہاتھوں بڑا ہی مظلوم اور غلام رہا ـــ سماجی اور معاشی طور پر ہی غلام نہیں، جسمانی طور پر بھی غلام ـــ غلام اپنے آقا کے حکم کے مطابق کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے، اس کی شرائط پر کام کرنے پر مجبور ہوتا ہے، نہ اس کی رائے ہوتی ہے اور نہ اختیار اور ارادہ ـــ غلامی کو اس نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو یہ تخلیقِ انسانی کی نفی ہے کیونکہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اختیار و ارادہ دیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس کرۂ ارض پر چلنے پھرنے والے سارے چرند، پرند، حشرات الارض، ہر ذی حیات اپنی زندگی اپنی جبلّت کے مطابق گذارنے پر مجبور ہے۔ چیونٹی، مچھر اور مکھی سے لے کر شیر اور ہاتھی تک سب مجبور زندگی گذارتے ہیں، مگر یہ انسان ہی ہے جسے یہ CHOICE دی گئی کہ اس کا جی چاہے تو مومن ہو جائے، جی چاہے تو کفر اختیار کر لے۔

اس کی اسی خصوصیّت پہ نظر رکھتے ہوئے تمثیلی انداز میں دوسری مخلوقات نے، فرشتوں نے حضورِ رب میں خدشات کا اظہار کیا تھا کہ اس طرح تو یہ دنیا میں فساد مچائے گا۔ کشت و خون کا مرتکب ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد تھا کہ جو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔

جب کبھی بالادستوں کی چیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر گئیں اس نے اپنی طرف سے بشیر و

نذیر افراد بھیجے جو انہیں وہ راہ دکھاتے جس پر چل کے انسانیت، فساد فی الارض سے بچتی ہے، نہ صرف یہ بلکہ اسے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ حزن اور تاریخ انسانیت ہی نہیں خود کلام خالق کائنات شاہد ہے کہ اس پیغام کی مخالفت میں ہمیشہ وہ لوگ پیش پیش رہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتے تھے، جو خود کو سردارانِ قوم کہلواتے تھے ــــــ اور قرآن پاک نے یہ بھی بتا دیا کہ یہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کے گودام اناج سے بھرے رہتے تھے اور اس پیغام کا ساتھ ہمیشہ کچلے ہوئے پسے ہوئے، کمزور طبقوں نے دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کو سردارانِ قوم نے یہی کہا کہ تم اگر ان کنجڑوں کاشتکاروں اور نچلے محنت کش طبقے کے لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تو ہم تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہو سکتے ہیں ــــــ سرمایہ دارِ حیلہ گر کا ہر مصلح سے یہی رویّہ ہوتا ہے کہ ہمارا ساتھ دو، یعنی ہمیں استحصال سے نہ روکو، تم فائدے میں رہو گے۔ ان محنت کشوں سے تمہیں کیا ملے گا۔
ــــــ قوم عاد و ثمود میں بھی یہی ہوا اور فرعون تو ملوکیت کا سب سے بڑا مظہر بن کر سامنے آتا ہے، جس کے جلو میں سارا سرمایہ دار طبقہ، قارون کی شکل میں اور ساری مذہبی پیشوائیت ہامان کی شکل میں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ وہ ایسا مطلق العنان ہے کہ استکبار میں اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ نعرہ زن ہوتا ہے ــــــ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ــــــ اور جب موسیٰ علیہ السلام کو اس کی طرف بھیجا جاتا ہے تو یہی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ گیا ہے۔ اس کی طرف جاؤ ــــــ مگر فراعین کب حق کی بات مان کر خود اپنے وجود کی نفی کرتے ہیں۔ قارون اپنے مال و دولت کو اپنی ہنرمندی کا نتیجہ قرار دے کر کب اس سے دستبردار ہونے پہ رضامند ہو سکتے ہیں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہامان کے جنود اپنی ساری شعبدہ بازیوں کے ساتھ ان کے دست و بازو ہوتے ہیں۔ ــــــ انسان کی غلامی کی داستان انسان ہی جتنی پرانی ہے

غلاموں کے ذکر میں وہ غلام بھی ضرور آتے ہیں جو افریقہ کے علاقوں سے جانوروں کی طرح شکار کر کے، پکڑ کر، جہازوں میں بھر بھر کر امریکہ میں لائے گئے تاکہ وہ سفید فام آقاؤں کی زمینوں میں کام کر کے اپنی محنت مشقت سے انہیں خوشحالی کی دہلیز سے پار کر کے فراوانی سے ہمکنار کریں۔ انہیں صرف اتنا ہی کھانے کو دیا جاتا تھا جس سے وہ محنت کرنے کے قابل رہ سکیں، انہیں بیچا بھی جا سکتا تھا۔
ــــــ مگر یہی لوگ غلام نہیں تھے، غلام کسی نہ کسی شکل میں ہر جگہ ہر دور میں رہے ہے
مشہور ایرانی، انقلابی مفکر، دانشور اور مذہبی فلاسفر علی شریعتی کے لفظوں میں :-
"وہ تمام عظیم یادگاریں جو تہذیبوں نے ساری تاریخ کے دوران تعمیر کی ہیں وہ میرے آباد اجداد کی

ہڈیوں پر تعمیر کی گئی ہیں۔ میرے غلام آباؤ اجداد نے چین کی عظیم دیوار بھی بنائی تھی اور جو بڑے پتھروں کا بوجھ نہ اٹھا سکا اس کو بھی کچل کر دیوار کا حصہ بنا دیا گیا۔ دیوارِ چین یا تمام دیواریں اور یادگاریں اور انسان کی تہذیب سے جو کچھ باقی بچا ہے وہ سب کچھ اسی طرح بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہیں جو میرے آباؤ اجداد کے گوشت اور خون پر رکھے گئے تھے۔"

فراعینِ مصر کے حنوط شدہ لاشوں پر تعمیر کئے گئے اہرام ——— ان تیس ہزار غلاموں کی بے مثال محنت کا مظہر ہیں جو تیس سال ان بڑے پتھروں کو ایک ہزار کلومیٹر دور سے اپنی پشتوں پر لاد کر کام کرتے رہے۔ ان پتھروں کے بوجھ سے تھک کر کچل کر جو مر جاتے۔ ہزاروں جو مر گئے وہ ان مردوں کو قریب ہی گڑھوں میں پھینک کر دفن کر دیتے اور ان کی جگہ دوسرے غلاموں کو ان کی جگہ پر لگا دیتے۔

علی شریعتی کا یہ خطاب جو اسوان کنارے کھڑے ہوکر ان غلاموں کے واسطے سے جو وہاں بے نام قبروں میں دفن ہیں ایک غلام بھائی کو خط کی شکل میں رقم کیا ہے بڑی جامع اور دلگداز داستان ہے، جس میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے:-

"بھائی آپ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے لیکن ہم آپ کے بعد بھی عظیم تہذیبوں کی تعمیر اور عظیم اعزاز کے حاملوں کے لئے عظیم فتوحات کرتے رہے' ایک دفعہ پھر ہماری پشتیں اور شانے پتھروں کا بوجھ اٹھانے لگیں لیکن اس دفعہ ان کی قبروں کے لئے نہیں کیونکہ اب وہ قبروں کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ ان کے محلات کے لئے، بڑے بڑے محلات ہمارے گوشت اور خون سے بنائے جاتے، یہ محلات اس لئے بنائے جاتے تاکہ یہ زمین پر فخر سے کھڑے ہوں اور ان کے ساتھ ہی ہماری نسلوں کی قبریں کھڑی ہوتیں۔"

جب تک معیشت زرعی تھی غلام زمینوں پر کام کرتے رہے۔ زمانے کے تقاضوں کے تحت غلامی کی وہ شکل نہ رہی تو کھیت مزدوروں نے ان کی جگہ سنبھال لی۔ زمیندار (جاگیردار وڈیرہ) جسے زمین اکثر حاکمِ وقت کی سیادت و سیاست کو تقویت دینے کی غرض سے یا اس کے عوض عطیے کے طور پر ملی ہوتی ہے خود کو زمین کا مالک کہتا ہے اور کاشتکار ہاری، مزارع، کھیت مزدور اس کا کارندہ۔ جو تمام تر محنت سے فصل اگاتا، اس کی دیکھ بھال کرتا اور کاٹتا چھانٹتا، اکٹھی کرتا ہے ——— اس فصل کا بہت بڑا حصہ زمیندار کے حصے میں آتا ہے اور کاشتکار کو محض اس قدر کہ جس سے اس کا، اس کے بال

بچّوں کا بمشکل گذارہ ہوسکتا ہے ـــــ اور اگر نہیں ہوسکتا تو یہ کسی کا دردِ سَر نہیں، محض اس وجہ سے اس کا حِصّہ بڑھایا نہیں جا سکتا کہ اس کی ضروریات اس حِصّے سے پوری نہیں ہوتیں" ـــ اور یہ حِصّہ بھی اسے یوں ملتا ہے :

دستِ دَولت آفریں کو مُزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت دیتے ہیں جیسے غریبوں کو زکوٰۃ

یورپ کے صنعتی انقلاب نے مزدوروں کو ایک نئی شکل دی ، مِل مزدور کارخانہ دار کا ملازم ہوتا جس کے حالاتِ کار اور اوقاتِ کار ، کارخانہ دار مقرّر کرتا تھا اور مزدوری بھی وہی مقرّر کرتا ، جس رقم سے وہ محنت کار کی قوتِ محنت کو خریدتا ہے وہ اسے اس کی اُجرت یا تنخواہ قرار دیتا ہے . اس سے اس کی ضروریات پوری ہوتی ہیں یا نہیں ۔ یہ کارخانہ دار کے سوچنے کی بات نہیں ، ان اوقاتِ کار سے مزدور کی صحت ، اس کی گھریلو زندگی کیسے متاثر ہوتی ہے یہ بھی اس کا دردِ سَر نہیں ۔ تنخواہ کے مقرّر کرنے کا پیمانہ کیا ہے یہ بھی مالک پہ منحصر ہے اور چونکہ اس کا مقصد اپنے روپے اپنے سرمائے سے زیادہ سرمایہ کمانا ہوتا ہے وہ حساب لگاتا ہے کہ مزدور کی محنت اور اس مال کی قیمت میں جو اسے اس کی محنت سے ملے گا اسے کس قدر فالتو سرمایہ حاصل ہوگا تاکہ وہ فالتو سرمائے سے نئی صنعتیں لگا سکے . اسی طرح سے نئی صنعتی سلطنتیں ، جنہیں ملٹی نیشنل انٹرپرائزز کہا جاتا ہے وجود میں آئیں .

یہ سارا پس منظر ہے ، سرمایہ و محنت کی کشمکش کا . اس کا ایک مظہر امریکہ وکینیڈا کی مزدور یونینز کی تنظیم کی جدّوجہد ہے جس میں انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ مزدوروں کے کام کے روزانہ اوقات آٹھ گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوں گے اور اس مطالبے کو منظور کرانے کے لئے کسی قسم کے اقدام کرنے سے پہلے (۱۸۸۴ء) میں انہوں نے دوسال کی مہلت دی تھی ۔ لیکن امریکہ کے مِل مالکوں نے اس مانگ کو ٹھکرا دیا اور مزدور دوسال بعد ہڑتال پر مجبور ہو گئے ۔ اس ہڑتال میں شکاگو کے مزدور پیش پیش تھے ۔ احتجاج ہوا جلسہ ہُوا ـــــ حکّام نے تشدّد کا بہانہ ڈھونڈا اور جلسہ گاہ مزدوروں کے خون سے لالہ زار ہوگئی　مقدّمے بھی مزدوروں پر بنے ، سزا بھی انہی کو ہوئی ۔ یومِ مئی انہی مزدور شہداء کی یاد میں ۱۸۹۰ء سے منایا جاتا ہے ۔

اس دَوران محاورے کے مطابق دریاؤں کا بے شمار پانی پُلوں کے نیچے سے بہہ چکا ہے سائنس نے بے مثال ترقّی کرلی ہے . صنعت و حرفت نے بھی درجہ کمال حاصل کرلیا ہے مگر کس قیمت پر ، سنئے :

" دنیا کے دوسرے خطوں کی فوجی غارت گری ، نامساوی تجارت اور جبری محنت ، یورپی سرمایہ داری کی ترقّی

کی بہت بڑی اور ناگزیر شرط ہے ، اطالوی شہروں کی دولت کا تصور بحیرہ روم کے بقیہ علاقوں کے استحصال کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اسی طرح پرتگال، سپین، ہالینڈ، فرانس اور برطانیہ کی خوشحالی عرب تہذیب کی بربادی، افریقہ کی لوٹ مار اور جنوبی ایشیا کی تباہی اور تاراجی، انڈونیشیا، وسطی اور جنوبی امریکہ کی خوشحال ریاستوں پر غلبے کے بغیر ممکن نہ تھی۔"

(SOMBART　MODREN CAPITALISM)

صدی بیت جانے پر کچھ سلطنتوں پر سورج غروب ہو چکا ہے، کچھ سمٹ سمٹا کے اپنے خول میں سما گئی ہیں۔ مگر اس کی جگہ مساواتِ انسانیہ کے نظام نے نہیں لی۔ استعمار نے نئی چادر اوڑھ لی ہے۔ استحصال نے نیا روپ دھار لیا ہے، بدنی غلامی کی جگہ ذہنی اور معاشی غلامی نے لے لی ہے، پس ماندہ ملکوں کو ترقی پذیر ممالک کہہ کر دھوکے میں رکھا جا رہا ہے، امداد دے کر مع سود قرض دیا جا رہا ہے پیسہ دیکر پالیسیاں بلکہ حکومتیں بنوائی اور تڑوائی جا رہی ہیں۔ سماجی انصاف، شخصی آزادی کی تنظیمیں تو ہیں مگر انسانوں کا انسانوں کی محنت کا استحصال جوں کا توں ہے :

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

فلسطینی جدوجہد کریں تو دہشت گرد، اسرائیلی ظلم ڈھائیں تو مظلوم کے مظلوم، قذافی کچھ کہے تو جنونی دہشت پسند اور امریکہ ہزاروں میل دور جا کر اس کی رہائش گاہ پر بم برسائے تو معصوم کا معصوم اور عراق کا جو حال اس کے ہاتھوں ہوا ہے اس کے بعد جس کی لاٹھی اس کی بھینس سے کم تر اور کیا کہا جا سکتا ہے

بلاشبہ شکاگو کے واقعہ کو ایک صدی گذر چکی ہے مگر محنت کش کے لبوں پہ آج بھی وہی فریاد ہے :۔

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

اوقاتِ کار مقرر ہو گئے تو کیا اور حالاتِ کار کسی قدر بدل گئے تو کیا۔ اجرتوں کا معیار آج بھی وہی ہے تنخواہیں مشاہرے آج بھی کارخانہ دار اور اربابِ اقتدار ہی مقرر کرتے ہیں۔ کس بنیاد پر کرتے ہیں، اپنے منافع کی بنیاد اور اپنے لئے فاضل دولت بنانے کی غرض سے، صنعت کے ناقابلِ یقین ترقی کے باوجود دولت اور طاقت آج بھی صاحبِ املاک طبقوں ہی میں مرکوز ہے اور غریبوں کی، محنت کشوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے ۔۔۔ سماجی اونچ نیچ بڑھتی جا رہی ہے۔ محنت کشوں کی محنت کا بدل اپنی مرضی سے مقرر کرنے کے بعد اس کی ادائیگی پہ سجدۂ شکر بجا لانے والا برخود غلط سرمایہ دار اپنے معاہدے کی پابندی پہ فخر سے سربلند کر لیتا ہے اور حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث کہ "مزدور کو اس کی

مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کردو" کی تعمیل پر شاباش بھی چاہتا ہے جو اسے اربابِ منبر و محراب سے مل بھی جاتی ہے مگر کوئی نہیں سوچتا کہ اس مزدوری سے اگر اس کی گذر اوقات نہیں ہوتی۔ کبھی اس کے بچوں کو بھوکا سونا پڑتا ہے تو کوئی صدائے احتجاج سنائی نہیں دیتی۔ قانون کی پابندی مستحسن لیکن قانون ہی انصاف پر مبنی نہ ہو تو اس کا کیا علاج۔ اسلام سارے نظامِ معاشرت اور معیشت کو سامنے رکھے بغیر جو عدل و انصاف ہی نہیں احسان پر بھی زور دیتا ہے، کیسے کوئی بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے جس نظام کا دعویٰ ہو کہ ——— ہم تمہارے اور تمہاری اولاد کے رزق کے ذمہ دار ہیں ——— کیسے کوئی بغیر بنیادی ضروریات کے رہ سکتا ہے؟ کیسے کوئی بھوکا رہ سکتا ہے ——— یہ بھی تو حدیثِ مبارکہ ہے: ——— جس بستی میں کسی ایک فرد نے بھی ایسے صبح کی کہ وہ رات کو بھوکا سویا اس بستی سے خدا کی حفاظت کا ذمہ اٹھ گیا ———

جب تک محنت کا پورا بدل اس معیار کے مطابق نہیں ملتا، صدیاں گذرتی رہیں گی اور مزدور کے لبوں پہ فریاد یونہی رہے گی ——— جب تک انسانوں کی سوچ نہیں بدلے گی، اچھے بُرے، خوب اور ناخوب کے معیار اور پیمانے نہ بدلیں گے ——— جب تک وحدتِ انسانیت کا تصوّر سامنے نہ آئے گا کان النّاس امّۃ واحدۃ کے ساتھ ولقد کرمنا بنی ادمَ کا تصوّر حقیقت کا روپ نہ دھارلے۔ دنیا جمعیتِ اقوام نہیں جمعیتِ آدم کے مرحلہ میں داخل نہ ہو جائے جب تک اونچ نیچ کا معیار ——— انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم نہ ہو جائے ——— جب تک معاشرہ استحصال کی بجائے عدل و احسان کی بنیاد پر استوار نہ ہو جائے ——— جب تک معیار وہی نہ ہو جائیں جو پیامبرِ انسانیت نے اپنے آخری خطبے میں فرمائے تھے، اس وقت تک اس دھرتی پر امن ایک خواب ہی رہے گا غلامی کسی نہ کسی شکل میں نظر آتی رہے گی۔ آزادی ایک سراب ہی رہے گی۔

خریدارانِ طلوعِ اسلام کے لئے

ضروری اعلان

ملک میں پھیلی ہوئی ہوشربا گرانی کی وجہ سے "طلوعِ اسلام" کی مالی حالت پر جو نقصان رساں اثر پڑ رہا تھا۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم مجلّہ طلوعِ اسلام کے خریداروں پر مزید بوجھ کا باعث نہ بنیں۔ لیکن اب یہ بوجھ ہماری حدِّ برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم بادلِ نخواستہ مجلّہ طلوعِ اسلام کی قیمت بڑھا رہے ہیں۔ جو اپریل ۱۹۹۱ء سے حسبِ ذیل ہوگی۔

اندرونِ ملک - سالانہ چندہ -/۱۲۰ روپے - فی شمارہ -/۱۰ روپے } مع پیکنگ و ڈاک خرچ
بیرونِ ملک سالانہ چندہ ۱۸/- امریکی ڈالر - فی شمارہ ½۱ امریکی ڈالر }

دکانداروں کیلئے کمیشن کی شرح حسبِ سابق ۳۳ فیصد رہیگی

- یاد رہے کہ یہ وہ رقوم ہیں جو ادارہ طلوعِ اسلام میں نقد وصول ہونی چاہئیں۔ لہٰذا رقوم بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بھجوائیں یا پرچہ بذریعہ VP طلب فرمائیں۔ VP کا خرچہ بذمّہ خریدار ہوگا۔
- [illegible] سے باہر کے بینک کا چیک ارسال فرمائیں تو اس میں ۲۰ روپے بینک چارجز شامل کر دیجئے۔
- بیرونِ ملک خریداروں کی سہولت کیلئے فارن اکاونٹ کھول دیا گیا ہے۔ دیارِ غیر میں مقیم کرمفرما اپنا چندہ بقدر ۱۸ امریکی ڈالر، جمع بینک چارجز ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور کے نام غیر ملکی کرنسی میں بھی بھجوا سکتے ہیں۔
- ایسے کرمفرما جن کا چندہ برائے سال ۱۹۹۱ء موصول ہو چکا ہے۔ بقایا رقم بھجوا سکیں تو یہ ان کی طرف سے ماہنامہ طلوعِ اسلام کو مالی بحران سے نکالنے اور قرآنی فکر کو عام کرنے کے لئے مالی اعانت سمجھی جائے گی۔
- پیشگی کھاتہ داران اور بزمہائے طلوعِ اسلام، آگاہ رہیں کہ اپریل ۱۹۹۱ء سے ان کے کھاتوں سے جاری پرچوں کا زرِ شرکت نئی شرح سے وضع کیا جا رہا ہے۔

مقالہ: ثریا عندلیب

مَیں بہت دُکھی ہوں

جنابِ صدر و حاضرینِ گرامی قدر، السّلام علیکم!

کہنا مجھے یہ ہے کہ میں بہت دُکھی ہوں۔ میری اس پکار پر آپ خندۂ زیرلبی کے ساتھ تت، تت نہ کیجئے کہ میں واقعی بہت دُکھی ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ چشمِ دل سے بہتا خون کسی کو نظر آیا ہے نہ آسکتا ہے۔ بہرحال میرے اس دکھ کی شدّت اس حد تک جا پہنچی ہے کہ آج اس بھری محفل میں، اپنی محبوب طلوعِ اسلام کنونشن میں جہاں گزرے سالوں میں کبھی سحر ہونے کے آثار ہویدا کئے گئے ہیں تو کبھی 'نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر' کی ولولہ انگیز صدائیں بلند ہوئی ہیں اور کبھی 'نا امیدی زوالِ علم و عرفاں ہے' کا سبق دیا گیا ہے، وہاں میں اس دُکھ کا اظہار کر رہی ہوں جو ہر ساعت میرے دل کو پاش پاش کرتا رہتا ہے۔ جی ہاں! یہ قدم اس امیدِ موہوم پر اٹھا رہی ہوں کہ شاید کنارۂ اجل پر پہنچتے ہوئے ہی اس دُکھ اس درد کا درماں پالوں۔ شاید اس دکھ میں لپٹے ان گنت سانسیں لینے کے بعد میرے آخری سانس کو ہی سُکھ نصیب ہو جائے۔ ہاں! مگر آپ نے کیوں ایسا سمجھ لیا۔ اور مطمئن ہو گئے کہ آپ کا اس دُکھ سے کوئی تعلّق واسطہ نہیں، جسے ہے وہ خود ہی بھگتا کرے۔

نہیں، عزیزانِ من! یہ صحیح نہیں میرا یہ دُکھ اتنا گھمبیر اور ایسا ہمہ گیر ہے کہ جو آپ سب کا، پورے معاشرہ کا، ساری امّتِ مسلمہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آپ کو اعتراض ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں عرض کرتی ہوں کہ یہ ایسے ہو رہا ہے کہ ہم سب پر جھوٹ نے قبضہ جما رکھا ہے۔ بس یہی تو وہ واحد دُکھ ہے جس کا احساس مجھے ماہیٔ بے تاب بنائے رکھتا ہے۔

ہم مسلمان ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں، شرم ہم کو مگر نہیں آتی۔ دن رات جھوٹ بولتے ہیں۔ لگاتار جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں۔ انفرادی طور پر، اجتماعی طور پر ہر طرح جھوٹ ہمارا ساتھی بنا رہتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر جھوٹ کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ بڑے بڑے معاملات کا تصفیہ جھوٹ سے کرتے ہیں۔ ہمارے ہر شعبۂ زندگی میں جھوٹ دھرنا مارے بیٹھا ہے۔ ہر محکمہ میں جھوٹ کا بول بالا ہے، ہر ادارے میں جھوٹ کا دخل

ہے۔ ہمارا کوئی کام جھوٹ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ہمارے جرائد و اخبارات میں ایک سے ایک جھوٹی خبریں اشاعت پذیر ہوتی ہیں۔ ہمارے اہم ترین ذرائع ابلاغ سے جھوٹ پھیلانے میں ہرگز دریغ نہیں کیا جاتا۔ ہر جگہ، ہر موقع پر جھوٹ کا سکہ بلا روک ٹوک چلتا ہے۔ سارے کاروبارِ معاشرت و معیشت پر جھوٹ چھایا ہوا ہے۔ ہماری ساری سیاست جھوٹ کے رنگ میں رنگی رہتی ہے۔ معاشرے میں جھوٹ کے سانپ پھن پھیلائے پھنکارتے پھرتے ہیں۔ کسی میں ہمت نہیں کہ ان کا مقابلہ کر سکے اور جھوٹ کا زہر ختم کر سکے۔ لیکن جب زہر کو ہی شہد سمجھ لیا جائے تو پھر ہلاکت سے کون بچ سکتا ہے؟

ہمیں بڑے زور شور سے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے۔ مجال ہے کسی کی جو ہماری مسلمانی پر حرف رکھ سکے۔ مگر خدارا کوئی بتائے کہ یہ کیسی مسلمانی ہے جس نے جھوٹ کو اپنا مرکز و محور بنا رکھا ہے۔ میرے قرآنی بہن بھائیو! بیشک ہم مسلمان ہیں، مگر یہ کہتے ہوئے میرے اندر سے بلند ہوتی ہوئی یہ چیخ رکتی نہیں کہ ہم کیسے مسلمان ہیں؟ جن کی زندگی کا دارومدار، جن کی سانسوں کا انحصار جھوٹ پر ہے۔ ربّ العالمین نے ہمیں زندگی کی نعمت عطا کی تھی۔ اس لئے تو عطا نہیں کی تھی کہ ہم بے مہابا جھوٹ کی ملاوٹِ خبیثہ سے اس مستقل نعمت کو یکسر لعنت میں بدل ڈالیں۔ قرآنِ حکیم کے ارشاد کو سامنے لائیے لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (۳:۶۰) اللہ تعالیٰ جھوٹوں پر لعنت بھیج رہا ہے۔ ہم نے اپنے کانوں میں ڈاٹ دے رکھے ہیں۔ نہ سنیں گے نہ ذمہ داری ہم پر عاید ہوگی۔ قرآن ہمیں مکروفریب پر مبنی جھوٹی باتوں سے بچنے کا حکم دیتا ہے: اِجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (۲۲/۳۰) اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم میں سے بلا مبالغہ ۹۹ فیصد افرادِ معاشرہ کا شعارِ زندگی، تصنع، بناوٹ، چالبازی اور دھوکا دہی ہے اور اس کے طریقے سینکڑوں جنہیں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اختیار کیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ کا تن آور درخت اور پھلتا پھولتا چلا جاتا ہے۔ پھر یہ ستم ظریفی بھی اسی پُرفریب ماحول کا حصہ ہے جو ہمارے جھوٹ نے پیدا کر رکھا ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی جھوٹ بولنے والا اپنے آپ کو جھوٹا کہلانا پسند کرے یا قبول کرے۔ بولتا وہ جھوٹ ہے اور چاہتا وہ یہ ہے کہ سوسائٹی میں اسے سچا سمجھا جائے، چنانچہ وہ جھوٹ کو سچ کے کیپسول میں رکھ کر پیش کرتا ہے۔ یوں بڑی آسانی سے اسے سچا ہونے کی سند مل جاتی ہے۔ مگر یہ کسی ایک فردِ خاص کی کہانی نہیں ہے۔ یہ کم و بیش ہم سب کی روشِ زندگی ہے۔ اگر ہمیں اس سنگین حقیقت سے انکار ہے تو کیا یہ اس کا واضح ثبوت نہیں کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں مگر جھوٹے کہلانا ہمیں منظور نہیں۔ ایسی صورتِ حال میں کم فہم اور سادہ دل لوگ سچ اور جھوٹ میں تمیز کریں تو کیونکر اور فریب خوردگی سے محفوظ رہیں تو کیسے۔ جب سچ کی زبان بندی کر دی جائے اور جھوٹ پردے کے اندر رہ کر وار کرتا رہے تو یہ سادہ لوح بندے کدھر جائیں!

ہم مانیں یا نہ مانیں اس تلخ ترین حقیقت سے آنکھیں چرا نہیں سکتے کہ ہماری زندگی کا ہر گوشہ اور

ہماری معاشرت کا ہر پہلو سراسر منافقت سے آلودہ ہے۔ یہ منافقت جھوٹ ہی کے وجود سے جنم لیتی ہے اور ہم مسلمان یہ تو جانتے ہیں کہ منافقت گناہِ کبیرہ ہے۔ لیکن منافقت کو اپنا معمول بنا کر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ضابطۂ انسانیت، قرآنِ کریم (جس پر ہمیں ایمان رکھنے کی بھی خوش فہمی ہے) نے منافقین کا ٹھکانہ جہنم کا سب سے نچلا درجہ بتایا ہے۔ چلیئے آخرت کا جہنم ابھی دُور سہی لیکن اس جھوٹ اور منافقت سے ہم نے جو اللہ کی عطا کردہ اس خوبصورت دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے وہ تو ہمارے سامنے ہے اور ہم سے متعلق ہے۔ آپ ہی بتائیے! اس سے بڑھ کر اور عذاب کیا ہوگا کہ معاشرے میں کوئی شخص دوسرے شخص پر اعتبار و اعتماد نہ کرسکے۔ ہر ایک سے خوف، ہر ایک کا خطرہ، کہیں ایسا نہ کردے کہیں ویسا نہ ہوجائے۔ جب دلوں میں جھوٹ جاگزیں ہوجائے تو زندگی بلا خوف و خطر کیسے بسر ہو! بفرضِ محال اگر ہم میں سے چند نفوس جھوٹ سے رشتہ نہ بھی رکھتے ہوں تو بھی یہ توفیق اور یہ جرأت کس کو ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ بولنے والے کو وہیں روک دے یا جھوٹ سننے سے انکار کردے۔ ایسا کب ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا۔ ایسا ہوتا تو دل کیوں دکھی ہوتا؟

سامعینِ عزیز! اس دکھ کے حوالے سے میں بہت دکھی ہوں کہ یہ کربناک داستان ختم نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم سب عزمِ صمیم اور صدقِ دل کے ساتھ باری تعالیٰ اور اپنے آپ سے جھوٹ سے کلیتاً کنارہ کش ہوجانے کا عہد کرتے ہوئے سچ کے سیدھے راستے پر نہ چل کھڑے ہونگے۔

اور میری یہ گزارش توجہ سے سنئے کہ یہ عہد کرنے کے لئے آج اور ابھی اس وقت سے زیادہ مبارک موقع کوئی نہیں کیونکہ آج مفکرِ قرآن جناب پرویز مرحوم و مغفور کی روح پرور یاد تازہ کرنے کا موقع ہے۔ ہمیں اس مردِ مومن کی رائج کردہ طلوعِ اسلام کنونشن کی تقریبِ سعید گزشتہ سالوں کی طرح پھر میسّر ہے۔ کیوں نہ ہم آج ہی سچ کا دامن پکڑ کر اس تجربہ کا آغاز کردیں۔ کیا عجب قدرت کو یونہی ہمارا تغیّرِ احوال منظور ہو اور ہم اپنے نفوس کی تطہیر کرتے ہوئے جھوٹ کی اتھاہ پستیوں سے نکل کر سچ کی بالا و اعلیٰ بلندیوں پر متمکّن ہو جائیں۔

حاضرینِ کرام! میں آپ سب کی بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے نہایت صبر و تحمّل سے پوری توجّہ کے ساتھ میری وارداتِ قلبی کو سُنا

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

والسّلام!

اعزازالدین احمد خاں
مدیر، چھپاؤنی

"پیوندی گدڑی"

اسے اتارے بغیر مسلمانوں کی حالت بدل نہیں سکتی

صدرِ گرامی قدر و عزیزانِ ملّت! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

تمہید

گزشتہ چند سالوں سے ملکِ عزیز پاکستان میں فقہ کے صدیوں کے فرسودہ اور ناقابلِ عمل قوانین کو قابلِ عمل ثابت کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ میرا اشارہ حدود آرڈیننس کی طرف ہے جنہیں ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو نافذ کیا گیا تھا۔ ستم ظریفی یہ کہ انہیں نافذ کرنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد اس وقت کے صدرِ پاکستان، جناب جنرل ضیاالحق صاحب (مرحوم) نے (جنہوں نے یہ آرڈیننس نافذ کیا تھا) یہ اعتراف بھی کر لیا کہ یہ ناممکن العمل ہیں۔ مشہور ہفت روزہ "ایشیا ویک" (جو ہانگ کانگ سے شائع ہوتا ہے) کے ایڈیٹر کو ۴ دسمبر ۱۹۸۱ء کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے حدود آرڈیننس میں تجویز کردہ زنا کی سزا۔ رجم۔ کے بارے میں فرمایا تھا:

"YOU CAN'T STONE PEOPLE TO DEATH. THE BASIC PHILOSOPHY OF KORANIC LAW IS THAT WE SHOULD HAVE A DETERRENT FORCE HOW CAN YOU HAVE A MAN HAVING SEXUAL INTERCOURSE WITH SOME BODY ELSE WITH FOUR WITNESSES! CAN YOU EVER HAVE IT? IMPOSSIBLE!"

(تفصیل کیلئے دیکھئے طلوعِ اسلام، جنوری ۱۹۸۲ء)

آپ غور فرمائیے کہ وہ قانون جس پر عمل ہی نہ ہو سکے، وقعت کیا رکھتا ہے؟ صدر صاحب نے فرمایا کہ قانون میں یہ سخت سزائیں اس لئے رکھی گئی کہ لوگ ان جرائم سے باز رہیں۔ لیکن سوچئے کہ جن جرائم

کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ ثابت ہی نہ ہو سکیں گے۔ ان کی سزاؤں کا قانون جرائم کی روک تھام کس طرح کر سکتا ہے؟ اس سے تو ان جرائم کے ارتکاب کا ارادہ کرنے والوں کے حوصلے اور دراز ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچیے کہ جب ان ناممکن العمل قوانین کو اسلامی کہہ کر نافذ کیا جائے گا تو غیر مسلم اقوام۔ اسلام کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ یاد رہے کہ قرآن کریم نے ایسی کوئی شرائط مقرر نہیں کیں جن کے پورا نہ ہونے سے خود قانون ہی معطل ہو کر رہ جائے یہ شرائط فقہ کی عائد کردہ ہیں۔ بالفاظ دیگر، اللہ نے ایک حکم دیا اور فقہ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جن کی رُو سے وہ حکم بیکار ہو کر رہ گیا! ستم یہ ہے کہ ان فقہی قوانین کو اسلامی قوانین کے نام سے پکارا جاتا ہے! ہم دنیا کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ اس طرح اسلام کا احیاء ہو رہا ہے!

اب ہمارے ارباب مذہب، اسلام کے نام پر ایک اور "فساد فی سبیل اللہ" کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میری مراد مزعومہ "شریعت بل" سے ہے۔ قوم کو یہ یقین دلایا جا رہا ہے کہ جب یہ شریعت بل قانون بن جائیگا۔ تو مملکتِ پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بن جائے گی۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ شریعت بل فرقوں میں بٹی ہوئی ہماری قوم کو پھر سے امتِ واحدہ بنا دے گا؟ جواب میں کہہ دیا جاتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور (CONSTITUTION) ہر مذہبی فرقے کو اپنی اپنی فقہ و روایات کے مطابق "قرآن و سنت" کی اصطلاح کی تشریح و تعبیر کی اجازت دیتا ہے۔ یعنی ہر مذہبی فرقہ، شخصی قوانین کی حد تک، اپنی اپنی شریعت کے مطابق زندگی بسر کر سکتا ہے (دستور کی دفعہ ۲۲۷، وضاحتی نوٹ)۔ یہ ہے ان علماء حضرات کی نظر میں امّت میں وحدت کا تصوّر! آپ نے غور فرمایا کہ ان کے شریعت بل کا مقصد اس منتشرہ قوم کو پھر سے امّتِ واحدہ بنانا نہیں بلکہ فرقوں کو برقرار رکھنا ہے۔ قرآن تو فرقوں کو شرک قرار دیتا ہے (۳۲-۳۱/۳۰) اور ان حضرات کے شریعت بل کی بنیاد یہی شرک ہے۔ اب آپ ہی کہئیے یہ قرآنِ حکیم کے واضح احکام سے مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ سچ کہا ہے حضرت علامہ اقبالؒ نے کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے تو قرآن کو کھیل تماشا سمجھ رکھا ہے۔ جب چاہا ایک "تازہ شریعت" ایجاد کر لی۔

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد　　(اقبالؒ)

یعنی یہ حضرات احکاماتِ الٰہی کو ایسے پیوند لگا دیتے ہیں کہ دین کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ اللہ کا دین ــــ اسلام ــــ انہی پیوندوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ انہی پیوندوں کی گدڑی نے ہمیں پہنا رکھی ہے۔ اب یہی "گدڑی" ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہماری حالت بدلے تو کیسے ہے؟ اللہ کا دین ہماری زندگی میں آئے تو کیسے؟ کیا کوئی طریقہ ہے؟ قرآن کہتا ہے "ہاں ہے۔"

قرآن نے مسلمانوں کی موجودہ ابتر حالت بدلنے کیلئے نفسیاتی تغیر کا وہ عظیم اصول بیان فرمایا ہے جس کی بنیادوں پر افراد اور اقوام کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے مولانا حضرات اس قرآنی طریقے سے الرجک ہیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے اپنی ذمّہ داری محسوس کرتے ہوئے۔ میں نے جناب صدرِ پاکستان اور جناب وزیرِاعظم پاکستان کی توجّہ اس قرآنی اصول کی طرف دلائی جس کے بغیر ہم اس پیوندی گدڑی سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ للہ سوچیئے کہ:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

مجھے جناب صدر کی جانب سے ایک جواب موصول ہوا جو ممکن ہے آپ کی دلچسپی اور غور و فکر کا باعث بنے۔ خط سنانے سے پہلے مناسب ہوگا اگر "پیوندی گدڑی" کی اصطلاح کی وضاحت کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ اس سے نجات کی کیا صورت ہے۔ یہی میری گفتگو کا موضوع ہے۔

پیوندی گدڑی

آپ اتفاق کریں گے کہ قرآن حکیم نے امّتِ مُسلمہ (جماعتِ مومنین) کا مقام یا امتیازی نشان یہ بتایا ہے کہ (اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ (۳/۱۳۸) وہ تمام اقوامِ عالم پر غالب ہوتی ہے۔ کسی قوم کا ان سے آگے بڑھ جانا تو درکنار، کوئی قوم ان کے ہم دوش بھی نہیں ہو سکتی۔ "اَعۡلَوۡن" کا لفظ اس کی شہادت دیتا ہے (اس کے مادہ ع-ل-و میں غلبہ اور بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔) ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ وہ غالب اس لئے ہوتی ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کی صداقتوں پر نہ صرف یقین رکھتی ہے۔ بلکہ صدقِ دل سے ان پر عمل پیرا بھی ہوتی ہے یعنی وہ مومنین کی جماعت ہوتی ہے ایک اور جگہ فرمایا: وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا ۝ (۴/۱۴۱) - یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ کفّار کو مومنین پر غالب آجانے دے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی معرکہ میں جماعتِ مومنین کو ہنگامی طور پر پسپا ہونا پڑے (جیسے جنگِ احد میں ہوا تھا۔ (۳/۱۳۹) لیکن یہ مستقل غلبہ اور مغلوبیّت نہیں ہوتی) لیکن یہ ناممکن ہے کہ کفّار مومنین پر مستقلاً غالب آجائیں۔ لہٰذا اگر اپنے آپ کو "مومن" کہنے والے مستقلاً کفّار سے مغلوب ہیں (خواہ کفّار کا غلبہ حکمران کا ہو یا معاشی و معاشرتی) تو انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ قرآن کریم کی رُو سے مومن کی (DEFINITION) پر پورے نہیں اترتے ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مومنین کے بارے میں حتمی فیصلہ پر نگاہ ڈالیے اور پھر موجودہ مسلمانوں کی حالتِ زار پر غور کیجئے۔ آج کفار (غیر مسلم) مسلمانوں پر غالب نظر آئیں گے۔ ان کی قسمت کے فیصلے غیروں کے رحم وکرم پر موقوف ہیں۔ حالیہ خلیج کی جنگ اس کی شاہد ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فیصلہ تو (معاذ اللہ) غلط نہیں ہو سکتا۔ اگر آج مسلمان۔ اعلون۔ سب سے بلند و بالا نہیں، اگر آج کفار ہم پر غالب ہیں، تو خدائی فیصلہ کی رُو سے ہم مومن نہیں۔ قرآن نے تو واضح طور پر بتا دیا تھا کہ "اعلون" کی صورت اس وقت تک باقی رہے گی، جب تک تم نظامِ خداوندی (الدین) کو باقی رکھو گے۔ اگر تم نے اس نظام کو چھوڑ دیا تو تم بھی دنیا کی باقی قوموں جیسی ایک قوم بن جاؤ گے جس کا بس نام "مسلمان" ہوگا۔

قرآنی مقصدِ حیات

لیکن ہمارا ـــ ہم مسلمانوں کا ـــ اصرار ہے کہ ہم "اہلِ ایمان" ہیں۔ اللہ کے عطا فرمودہ ضابطۂ حیات القرآن کے ایک ایک لفظ پر ایمان رکھتے ہیں۔ خود فریبی اور خدا فریبی کا یہ سلسلہ صدیوں سے اس خداوندِ جلیل کے ساتھ جاری ہے جو سمیع و بصیر اور علّام الغیوب ہے۔ اس فریبِ عظیم کی بنا پر امت کو جو بُرے دن دیکھنے پڑے ان کی تفاصیل سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ کولھو کے بیل کی طرح چلے جا رہے ہیں۔ ذرا نہیں سوچتے کہ اگر ہمارا "موجودہ اسلام" وہی اسلام ہے جو عہدِ رسالت مآبؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں رائج تھا تو پھر ہمیں وہ شرف و عظمت حاصل کیوں نہیں ہے جو صدرِ اوّل کی جماعتِ مومنین کو حاصل تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں نے ہمارے کانوں میں یہ فسوں پھونک رکھا ہے کہ جو کچھ اسلاف سے ہوتا چلا آرہا ہے اس پر آنکھ بند کر کے چلتے جاؤ۔ اس دنیا کی ذلت، جنتِ اخروی کی ضمانت ہے۔ قرآن پر ایمان کی یہ دلیل قرار دی گئی کہ اس پر غور و فکر کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ بِلا سوچے سمجھے اس کی اندھا دھند تلاوت ہی حصولِ ثواب کا موجب ہے اسی سے آخرت میں بیڑا پار ہوگا۔ یہ کرتے رہو اور اس کے بعد اس ضابطۂ حیات کو ریشمی غلافوں میں سجا کر گھروں میں لٹکائے رکھو۔

عزیزانِ من! یہ ہے وہ کھیل جو ہم کتاب اللہ سے مسلسل کھیلتے چلے آرہے ہیں۔ کیا مسلمانوں کے زوال کی یہ ایک ہی علّت العلل چشمِ بصیرت کیلئے کافی نہیں۔ سوچئے!

قرآنِ حکیم تو امّتِ مسلمہ کا مقصدِ حیات دنیا میں نظامِ خداوندی (الدّین) کو انسانوں کے خودساختہ تمام نظاموں پر غالب کرنا بتاتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۹/۳۲)

"اللہ نے اپنے رسولؐ کو ضابطۂ حیات یعنی دینِ حق، دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہ نظام تمام نظامہائے عالم پر غالب آئے۔ خواہ یہ بات ان لوگوں پر کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے جو اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریکِ حکومت کرنا چاہتے ہیں۔" (مزید دیکھئے ۴۸/۲۸، ۹/۶۱)

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ (۴۸/۲۹) کے سامنے یہی مقصدِ حیات تھا۔ یعنی دین الحق نظامِ خداوندی کو نظامہائے عالم پر غالب کرنا۔ انہوں نے اپنے یقینِ محکم اور عملِ پیہم سے چند سالوں کے عرصہ میں ایسا کر کے دکھا دیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے سے رسول اللہ صلعم کا مقصدِ حیات امتِ مسلمہ کا مقصدِ حیات ہے۔ یعنی ہمارا۔ لیکن اربابِ مذہب نے اس قرآنی مقصد کو مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل کر کے انفرادی نجات کو مقصودِ حیات بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اسے کہتے ہیں دین کو مذہب سے بدل دینا

ہمارا موجودہ اسلام

[illegible] تھا۔ بعد میں مختلف ائمۂ فکر وفقہ کی نسبتوں سے مختلف طریقے پیدا ہوئے۔ یہ [illegible] دین میں انسانی خیالات کی آمیزش کا آغاز۔ رفتہ رفتہ اللہ کے دین اسلام [illegible] کی یہ حالت ہو گئی کہ اصل (ORIGINAL) اسلام کا اس میں کوئی ٹکڑا نہ رہا۔ سارا اسلام انہی پیوندوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔ یہی "پیوندی اسلام" آج ہمارے ہاں رائج ہے۔ یعنی ہمارا موجودہ اسلام منزّل من اللہ دین نہیں بلکہ انسانوں کا خودساختہ مذہب ہے اور مذہب کوئی بھی ہو اس میں زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے اربابِ مذہب یہ حقیقت تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ اگر یہاں اللہ کا قانون اس طرح سے رائج ہو گیا جس طرح عہدِ رسالت مآبؐ اور دورِ خلفائے راشدینؓ میں رائج تھا۔ تو ان کی "نمبرداری" ختم ہو جائے گی وہ اپنی عافیت مذہب کی اس "پیوندی گدڑی" میں سمجھتے ہیں جو انہوں نے ہمیں پہنائی ہوئی ہے۔ اب تو یہ "کمبل" والا مسئلہ بن گیا ہے۔ ہم اس "پیوندی گدڑی" کو اتارنا چاہتے ہیں لیکن یہ ہمیں چھوڑتی ہی نہیں۔ اس سے نجات تو صرف اللہ کا نظام دلا سکتا ہے۔ ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو بتائیں، سمجھائیں کہ جب دین کے بلند نظریات کو فسردہ کر دیا جائے۔ یعنی جب وہ انسانی خیالات کے پیوند لگنے سے اپنی توانائیاں کھو بیٹھیں، تو پھر وہ "اعلون" کی کیفیت حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ قرآنِ حکیم کا فیصلہ ہے۔ یہ تاریخ کا فیصلہ ہے۔

THE VERDICT OF HISTORY - تاریخ

علامہ اقبالؒ اپنے خطاب — (LECTURES ON RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT) میں مسلمانوں کی حالتِ زار کا تجزیہ کرتے ہوئے دورِ حاضر کے ایک مفکر کا قول بیان کرتے ہیں جس کا ایک لفظ سننے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ علامہ نے یہ تو نہیں بتایا کہ یہ مفکر کون ہے لیکن جو بات اس نے کہی ہے وہ ایک عظیم حقیقت ہے وہ کہتا ہے:

THE VERDICT OF HISTORY IS THAT WORN-OUT IDEAS HAVE NEVER RISEN TO POWER AMONG A PEOPLE WHO HAVE WORN THEM OUT.

سوچئے۔ غور کیجئے! یہ شخص کیا کہہ گیا ہے اس کا لفظی ترجمہ کچھ یوں ہوگا:

یہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ جس قوم نے، جن لوگوں نے، ان بلند نظریاتِ حیات وتصورات کو، جو انہیں عروج کی بلندیوں پر لے گئے تھے، اپنے ہاتھوں فسردہ کر دیا ہو، وہ فسردہ — (IDEALS) نظریات اس قوم کے ہاتھوں دوبارہ ORIGINAL IDEALS بن کر طاقت حاصل نہیں کر سکتے۔"

"THE VERDICT OF HISTORY IS.........."

وہ کہہ یہ رہا ہے کہ IDEAS نظریات، تصورات، معتقدات اصولوں میں بے پناہ قوت ہوتی ہے، لیکن جو قوم اپنے ان نظریاتِ حیات کو فسردہ کر چکی ہو، جن کے ہاتھوں اُن نظریات کی توانائیاں ختم ہو چکی ہوں، شکلیں صرف باقی رہ گئی ہوں۔ توانائیاں باقی نہ رہی ہوں، اس قوم میں وہ نظریات وتصورات، وہ پہلی سی توانائیاں، وہ پہلی سی زندگی حاصل کر نہیں سکتے۔ یہ ایک عظیم حقیقت ہے جو اس مفکر نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

سوال اٹھتا ہے کہ یہ کونسی قومیں ہیں جن کے متعلق یہ مفکر بات کر رہا ہے۔ یہ دنیا مذاہب ہے۔ وہ مذہب کی دنیا کی بات کر رہا ہے۔ مذہب ہوتا کیا ہے؟ مذہب اس راستے کو کہتے ہیں جو انسانوں کا وضع کردہ ہو (درحقیقت مذہب کے معنی مکتبِ فکر (SCHOOL OF THOUGHT) کے ہیں) اور دین اس قانون یا نظام کو کہتے ہیں جو اللہ کی طرف سے ملا ہو (۳/۱۸) یاد رہے کہ دین ایک ہے کیونکہ اللہ ایک ہے۔ لیکن جب اللہ کے دین — اسلام — میں انسانی خیالات کی آمیزش ہو جائے تو پھر دین، دین نہیں رہتا مذہب بن جاتا ہے۔

فرقے مختلف انسانوں کے بنائے ہوئے راستے (مذہب) پر چلنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ دین میں فرقوں کا کیا سوال۔ قرآنِ حکیم بتاتا ہے کہ جب سابقہ رسول کی وحی سے انسانی آمیزش دور کرنے کے لئے نیا رسول آتا تو مذہب پرست طبقہ اپنے مذہب پر بضد قائم رہتا اور اس رسول کی طرف سے پیش کردہ الدّین کی سخت مخالفت کرتا۔ یہ مخالفت مذہبی پیشواؤں کی طرف سے ہوتی جو مذہب کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتے تھے۔ اس طرح دنیا میں دینِ واحد کی جگہ مختلف مذاہب پیدا ہو گئے۔ پھر جس طرح ہر پیشہ میں ہوتا ہے۔ ان مختلف مذاہب کے پیشواؤں کی باہمی رقابت، انہیں ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار رکھتی۔ کاروبار چلتا ہی اس طرح سے ہے۔ اس پیشہ ورانہ رقابت کو قرآن کریم لُغْيًا بَيْنَهُمْ (۱۸ / ۳) سے تعبیر کرتا ہے۔ "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو اپنی فرقوں میں بٹی ہوئی قوم پر نگاہ ڈال لیجئے ؎

اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ مُلّا سے نہ پوچھ
ہوگیا اللہ کے بندوں سے خالی کیوں حرم!

اپنے دل سے پوچھ

اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے اور اپنے آپ سے پوچھئے کہ ہم نے ان نظریاتِ حیات، اُن قوانین و اقدار و اصول کے ساتھ کیا کیا جو رسول اللہ کی وساطت سے ہم تک پہنچے تھے؟ صلوٰۃ کے الفاظ، ذکر کے الفاظ، صوم کے الفاظ، زکوٰۃ کے الفاظ، حج کے الفاظ، بلعینہٖ ہمارے ہاں موجود ہیں لیکن صلوٰۃ نہ تو فحشاء و منکر سے روکتی ہے نہ صوم سے اللہ کی کبریائی پیدا ہوتی ہے، نہ زکوٰۃ سے عالمِ انسانیت کو نشوونما ملتی ہے، نہ حج پر اکٹھے ہو کر دلائل و براہین کی رُو سے، مسائل حل ہوتے ہیں۔ یہ ساری اصطلاحات موجود ہیں اور ان پر اتنی شدّت اور اتنی کثرت سے عمل ہو رہا ہے کہ دیگر مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان سے وہ نتائج برآمد نہیں ہو رہے جو قرآن کہتا ہے برآمد ہوں گے "اللہ کا نظام تو "قطرے کو گہر" کر دیتا ہے:۔

زندگانی ہے صدف، قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے (اقبالؒ)

قرآنِ کریم بتا رہا ہے، تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ جب بھی کوئی قوم دین کو چھوڑ کر مذہب پر آجاتی ہے تو ہوتا یہ ہے کہ الفاظ اور شکلوں کے اعتبار سے دینی نظریات اور تصوّرات اسی طرح قائم رہتے ہیں لیکن وہ اپنی توانائی کھو چکے ہوتے ہیں۔ وہ چلے ہوئے کارتوس کے مانند ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نظریات کا کھُرچ کھُرچ کر بارود نکال دیتی ہے تو پھر وہ "اَعْلَوْنَ" اور "غَالِبُوْن" کی کیفیت کیسے حاصل کر سکتی ہے؟

اس وقت ان کی کیفیت قرآن کے الفاظ میں یہ ہو جاتی ہے :

وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲/۶۱)

"ذلّت اور مسکنت ان کے پیچھے سایہ کی طرح لگ جاتی ہے اور یہ اللہ کا غضب ہوتا ہے"

دوسری جگہ اسے ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (۷/۱۵۲) سے تعبیر کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ ذلّت و پستی ایسی قوم پر اسی دنیا میں طاری ہو جاتی ہے ۔ غور فرمایا آپ نے کہ مسلمانانِ عالم صدیوں سے ذلّ و مسکنت کا شکار کیوں چلے آ رہے ہیں ۔ یہ سب کچھ ان کی نگاہوں کے سامنے ہو رہا ہے ۔ لیکن "آئینۂ ایام" میں "اپنی ادا" دیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں

تھیں پیشِ نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینۂ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ !

اگر ہم اپنی تاریخ سے کوئی سبق سیکھنا ہی نہ چاہیں تو کوئی کیا کرے ۔ تاریخ تو پکار پکار کر کہہ رہی ہے :

"THE / VERDICT OF HISTORY IS THAT WORN-OUT IDEAS HAVE NEVER RISEN TO POWER AMONG A PEOPLE WHO HAVE WORN THEM OUT"

اپنی خودی کو مسلمان کر

حکیم الامت علامہ اقبالؒ اپنی قوم کو مذہب کے گرداب میں پھنسے دیکھتے ہیں تو بلبلا اٹھتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ اے مسلمان ! منزل تو تیری کیا تھی ۔ مقصد تو تیرا کیا تھا ۔ لیکن تو بھٹک ایسی راہوں پر رہا ہے جو تجھے تیری منزل سے بہت دُور لے گئی ہیں : ؎

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی ! (اقبالؒ)

وہ قوم کو یہ کہہ کر جھنجھوڑتے ہیں :

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے ؟
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں !
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے ؟ (اقبالؒ)

وہ مسلمانوں کو یاد دلا رہے ہیں کہ تم نے تو فطرت کی قوتوں کو مسخر کرنا تھا لیکن حیرت ہے تم تو اس دنیا کی ذلت کو اپنا مقدر سمجھے بیٹھے ہو! تمہارے مذہبی پیشواؤں نے اللہ کا یہ فرمان تمہاری نگاہوں سے اوجھل کر رکھا ہے کہ وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى ۝ (۲۰/۱۲۴) "جو شخص یا قوم قوانینِ خداوندی سے اعراض برتے گی تو اس کی معیشت (روزی) تنگ ہو جائے گی" ظاہر ہے کہ جن اقوام کی معیشت تنگ ہے (اور مسلمانوں کا نمبر ان میں اس وقت سب سے آگے ہے) وہ قوانینِ خداوندی سے اعراض برت رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا محسوس اور واضح معیار ہے جس میں کسی شک و شُبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ "ظہورِ نتائج (قیامت) کے دن ایسی قوم کو اندھا اٹھایا جائے گا" یعنی زندگی کی روشن راہیں اس کے سامنے تاریک ہونگی۔ اٹھ مہلت کے وقفے سے فائدہ اٹھا اور اس پیوندی گدڑی "کو، جو تجھے تیرے مذہبی پیشواؤں نے پہنا رکھی ہے" اتار پھینک کر اپنی تقدیر بدل ڈال۔ اپنی تقدیر کو اللہ کے قانونِ مشیت سے ہم آہنگ کر دے۔ یاد رکھ! اللہ کا قانونِ مشیت یہ ہے کہ مومن سب سے "اَعۡلَوۡنَ" (۳/۱۳۸) اور سب پر "غالبون" (۵/۵۶) ہوتے ہیں تو بھی مومن بن جانے کی آرزو کر کہ یہی مشیتِ خداوندی ہے۔ اس مقامِ بلند کو حاصل کرنے کے لئے تجھے مسلسل جدوجہد کرنا ہوگی۔ محمد رسول اللہ والذین معہ رض کی مثال تیرے سامنے ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی سنت پر عمل کر۔ اپنی خودی کو مسلمان کر۔ پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے

قرآن "خودی کے مسلمان ہونے" کو ایمان کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا فلسفۂ خودی قرآن کے نکتۂ ایمان ہی کی تفسیر ہے۔ سُن رکھیئے! ایمان چار لفظوں کے دُہرا دینے کا نام نہیں ہے۔ یہ دل کی تبدیلی کا نام ہے۔ جب ایمان دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو پھر اقدار بدل جاتی ہیں۔ زندگی کا مقصد بدل جاتا ہے، منزل بدل جاتی ہے۔ آرزو بدل جاتی ہے۔ اس وقت ہر عبدِ مومن کی زبان پر یہ ہوتا ہے کہ:

عشق میں ایک تم ہمارے ہو!
باقی جو کچھ ہے سب تمہارا ہے۔

قرآنِ کریم دل کی اس تبدیلی کو تغیرِ نفس کہہ کر پکارتا ہے۔ ایسا "تغیرِ نفس" ہی ہماری موجودہ درماندگی کا علاج ہے۔

تغیرِ نفس ــــــ قرآن کا اٹل اصول

جس آیۂ مبارکہ میں ہماری درماندگیوں اور ناکامیوں کا علاج بتایا گیا ہے۔ اسے پڑھا تو اکثر جاتا ہے لیکن

اس پر غور بہت کم کیا جاتا ہے۔ وہ ہے سورہ رعد کی گیارہویں آیت جس میں کہا گیا ہے :۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (۱۳/۱۱)

"جس طرح یہ ایک محکم اصول ہے کہ زندگی کی جو خوشگواریاں کسی قوم کو حاصل ہوں وہ اس سے نہیں چھنتیں، جب تک وہ ان کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے (۸/۵۳)۔ اسی طرح یہ بھی ایک غیر متبدل قانون ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو نہ بدلے"

کہا یہ جارہا ہے کہ کسی قوم کے خارجی حالات میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ قطعاً نہیں ہوسکتی۔ وہ قوم جو جی میں آئے کر دیکھے اس کے احوال و ظروف کبھی نہیں بدل سکتے، جب تک وہ قوم اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کرے۔ جب تک اس کے قلب و دماغ میں تبدیلی نہ ہو۔ جب تک اس کی ذہنیت نہ بدلے۔ جب تک اس میں فکری اور ذہنی تبدیلی نہ ہو۔ جب تک اس میں نفسیاتی تبدیلی نہ ہو۔ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔

جو کچھ قرآن نے کہا ہے، باقی دنیا کیلئے اس کی حیثیت ایک اصول کی سی ہے۔ ایک نظریہ کی ہے لیکن مسلمان جو قرآن کی صداقت پر ایمان رکھنے کے مدعی ہیں۔ ان کیلئے اس اصول کی حیثیت مختلف ہے۔ اگر وہ سمجھیں کہ تغیرِ احوال کی صورت یہ نہیں، کوئی اور ہے تو یہ کفر ہوگا۔ اگر وہ سمجھیں کہ یہ بھی ایک تدبیر ہوسکتی ہے لیکن اس کے علاوہ اور بھی تدابیر ہیں تو یہ شرک ہوگا اور اگر وہ اس تدبیرِ خداوندی کو چھوڑ کر دیگر تدابیر پر عمل پیرا ہو جائیں تو یہ گویا اللہ کو چیلنج دینا ہوگا کہ تم کہتے ہو کہ تغیرِ احوال کی ایک ہی صورت ہے، یعنی تغیرِ نفس۔ لیکن ہم تغیرِ نفس کے بغیر اپنے حالات میں تبدیلی کر کے بتا دیں گے (معاذ اللہ ثمّ معاذ اللہ) اور ہم صدیوں سے یہی کر رہے ہیں۔ اللہ کے خلاف محاذ قائم کئے ہوئے کہ نفسیاتی تبدیلی کے بغیر اپنی حالت بدل دیں گے!

ایسا سمجھنے والوں کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے :

فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ (۱۸/۱۰۵)

"ان کا کیا کرایا سب رائیگاں جائے گا"

اس کا نقصان اتنا ہی نہیں ہوگا کہ ہماری تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ ہم دنیا کو یہ باور کرا رہے ہیں کہ اس طرح اسلام کا احیاء ہو رہا ہے۔ سوچئے! جب ہماری کوششیں ناکام رہ جائیں گی تو دنیا اللہ کے دین ــــ اسلام ــــ کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی؟ لیکن ہمارے مذہبی پیشواؤں کو اس کی پرواہ نہیں کہ اسلام پر کیا گذرتی ہے، انہیں تو اپنی اپنی ڈفلی بجانے سے غرض ہے۔ ان میں

سے تو کوئی متعین طور پر یہ بھی نہیں بتا سکے گا کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ حقیقت سامنے آجانی چاہیئے کہ مسلمانوں کی ایک ارب آبادی میں جو اس قدر فقدانِ وحدت و عدم اتحاد ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں مسلمانانِ عالم میں عام طور پر اور پاکستانی مسلمانوں میں خاص طور پر ــــ فکری وحدت نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ:

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملّت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

دین کی غایت

اسلام کا مقصود اور اس کے عملی نظام (دین) کی غایت یہ ہے کہ نوعِ انسان کے اختلافات و افتراقات کو ختم کر کے اسے آسمانی اقدار کی بنیادوں پر ایک عالمگیر برادری بنا دیا جائے۔ اب قرآنی تعلیم کا یہی مقصد و منتہٰی ہے۔ لیکن کتنی شرم کی بات ہے کہ جس جماعت (مومنین)، جس جماعت کا یہ فریضہ تھا کہ وہ قرآنی تعلیم کو عام کر کے انسانوں کے تفرقے مٹاتی چلی جائے، وہ خود مذہبی فرقوں اور پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے۔

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر ' اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

قرآن حکیم نے مسلمانوں میں فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ اگر امتِ مسلمہ اپنی اطاعت کے لیے اللہ کی کتاب کو سند و حجت تسلیم کرے تو اس میں اختلاف پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں (۴/۸۲) لیکن اگر اطاعت کیلئے سند و حجت اللہ کی کتاب کے علاوہ، کسی اور کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ شرک ہوگا اور اس کا لازمی نتیجہ اختلاف و افتراق۔ آپ دیکھیں گے کہ فرقہ بندی میں آخری سند کسی نہ کسی انسان کی قرار پا جاتی ہے، اللہ کی نہیں۔ لہٰذا فرقہ بندی کے شرک ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ مسلمان اس وقت جس قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں اور اس کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔

لیکن ہمارے مذہبی پیشوا اس شرک کو مٹانے کیلئے تیار نہیں کیونکہ وہ اپنی عافیت امّت کی تفرقہ میں سمجھتے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ اگر اللہ کا قانون رائج ہو گیا تو ان کی اجارہ داریاں ختم ہو جائیں گی۔ پاکستان میں تو اب اس کا بھی ڈر نہیں کیوں یہاں ایک ایسی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس سے فرقوں کی پوزیشن یکسر بدل گئی ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان نے جو دستور مرتب کیا ہے (۱۹۸۵ء میں) اور جسے اسلامی دستور قرار دیا گیا ہے، اس میں "مسلمانوں کے مسلمہ فرقوں" کو آئینی سند عطا کر دی گئی ہے۔ غور فرمائیے! اسلامی دستور اور

اس میں مذہبی فرقوں کی آئینی حیثیت! یا ویلنا و یا للعجب!! (دستور کا آرٹیکل نمبر ۲۲۷ (۱) وضاحتی نوٹ)

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسّر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند (اقبالؒ)

ایک بار پھر سُن لیجئے! کہ امّت کی وحدت کی بنیاد ایک اللہ اور اللہ کا عطا فرمودہ ایک دین (ضابطۂ حیات) کے مطابق زندگی بسر کرنے پر ہوتی ہے۔ دین میں فرقہ واریت شرک ہے (۳۲-۳۰/۳۱، ۶/۱۶۰، ۳/۱۰۲، ۳/۱۰۴)۔ (فرقوں کو مکاتبِ فکر کہنے سے فرقہ سازی جائز نہیں ہو جاتی) لہٰذا جہاں فرقے ہوں سمجھ لیجئے وہاں نہ دین ہے نہ توحید۔ چونکہ مسلمانانِ عالم عام طور پر اور اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک — پاکستان — میں خاص طور پر، فرقوں اور پارٹیوں میں بٹے پڑے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ہمارا مروّجہ اسلام، منزل من اللہ دین نہیں ہو سکتا۔ یہ انسانوں کا خود ساختہ مذہب ہے۔ یہ وہی "پیوندی اسلام" ہے جسے مٹانے کیلئے قرآن حکیم نازل ہوا تھا۔ یہ مسلمانوں کی حالتِ زار کیسے بدل سکتا ہے؟ جس دن یہ حقیقت ہمارے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ اسی دن ہمارے اندر وہ نفسیاتی تبدیلی پیدا ہو جائے گی، جس کو قرآنِ حکیم، خارجی حالات میں انقلاب لانے کے لئے، شرطِ اوّلیں قرار دیتا ہے، اس دن ہماری "خودی" مسلمان ہو جائے گی۔

ہمیں کرنا کیا ہوگا؟

ہمیں مروّجہ اسلام کو قرآنی اسلام بنانا ہوگا یعنی موجودہ مذہب کو پھر سے دین میں بدلنا ہوگا۔ ہمیں کرنا یہ ہوگا کہ قرآنِ حکیم کا متعین کردہ مقصدِ حیات — یعنی دینِ خداوندی کو نظام ہائے عالم پر غالب کرنے کا مقصد از سرِ نو اپنے سامنے رکھنا ہوگا (۹/۳۳) سمجھنے کی خاطر اسے تجدیدِ مقصد کہہ لیجئے۔ دیکھئے قرآن حکیم اس عظیم حقیقت کو کس قدر بلیغ انداز میں پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي
نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ.... (۴/۱۳۶)

اس آیۂ مبارکہ کا عام ترجمہ یہ ہے کہ:

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جسے اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کیا.......

یہاں یہ بات بظاہر عجیب سی لگے گی کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ خود "اے ایمان والو! کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ انہیں ایمان لانے کیلئے کیوں کہا جا رہا ہے۔ یہ بڑی عظیم حقیقت ہے اور گہرے غور و فکر کی محتاج۔ جو قوم مذہب کی سطح پر اتر آتی ہے لیکن اپنے آپ کو منسوب اسی دین کی طرف کرتی رہتی ہے۔ قرآن انہیں دیگر مذاہب سے الگ کر کے، ان کے ملی تشخص کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نہج سے انہیں " یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا " کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مقصد کو فراموش کر دیا ہوتا ہے۔ اس لئے ان سے کہتا ہے کہ تم پھر سے اپنے سامنے اسی مقصد کو رکھ لو جو نزولِ قرآن کا مقصد تھا اور جو رسول اللہ صلعم کا مقصدِ حیات تھا اور جو اب ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ اسی کو میں نے "تجدیدِ مقصد" کہہ کر پکارا ہے۔

پھر سن لیجئے! رسول اللہ والذین معہٗ کے سامنے مقصد دین الحق، نظامِ خداوندی کو نظام ہائے عالم پر غالب کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے یقینِ محکم اور عملِ پیہم سے چند سالوں کے عرصہ میں یہ مقصد حاصل کر لیا۔ اسی سنّتِ رسول اللہ پر عمل کر کے ہمیں رسول اللہ کا امّتی ہونے کا حق ادا کرنا ہوگا۔ ایسا کئے بغیر ہم "پیوندی گدڑی" سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسا، اسلامی حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہوگا جسے امّت تشکیل کرے گی۔ پاکستان ہم نے (یعنی برصغیر کے مسلمانوں نے) ایسی ہی "اسلامی حکومت" قائم کرنے کے لئے حاصل کیا تھا۔ ورنہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی کی اجازت تو ہمیں ہندوستان میں حاصل تھی۔ بھولئے نہیں! کہ پاکستان کا تصور علامہ اقبال کی بصیرتِ قرآنی کا رہینِ منت ہے۔ انہوں نے اس مطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآن کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول و احکام نافذ کئے جا سکیں۔ پاکستان تو ہم نے حاصل کر لیا "اسلامی حکومت" کا انتظار ہے۔ بقول شاعر:

وہ آ گئے ہیں مگر انتظار باقی ہے!

"پیوندی گدڑی" سے نجات حاصل کرنے کیلئے اسلامی حکومت کا قیام ازبس ضروری ہے۔ لیکن یہ خود بخود قائم نہیں ہو جائے گی۔ اس کیلئے ہمیں، اے مسلمانو! جدّ و جہد کرنی ہوگی "انصار اللہ" بننا ہوگا (۶۱/۱۴) لیڈرانِ قوم کو راہِ راست پر لانا ہوگا۔ انہیں بتانا ہوگا کہ پاکستان مذہبی فرقوں کے پنپنے کے لئے حاصل نہیں کیا گیا تھا۔ اسے فرقوں والے اسلام کے لئے نہیں اللہ کے اسلام کے نفاذ کے لئے حاصل کیا گیا تھا جب تک ہم ایسا نہیں کریں گے وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا جس کیلئے رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تھے جس کے لئے ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا۔

حرفِ آخر

اللہ تعالیٰ نے جب نوعِ انسانی کیلئے اسلام کو بہ حیثیت نظامِ زندگی منتخب کیا تھا تو اس کا اعلان کر دیا تھا کہ یہ نظام تمام نظامہائے عالم پر غالب

آکر رہے گا (۹/۳۳) اگر کوئی قوم اسے اپنے ہاں نافذ نہیں کرے گی تو اس سے اللہ عاجز نہیں آجائے گا۔ وہ اس قوم کی جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ .... (۴۷:۳۸) وہ اس سابقہ قوم جیسی نہیں ہوگی۔ وہ اس نظام کو قائم کردے گی۔ اسلامی نظام نہ کسی خطۂ ارض کے ساتھ وابستہ ہے۔ نہ کسی خاص قوم سے مختص۔ یہ عالمگیر انسانیت کا نظام ہے اور اسے بالآخر قائم ہوکر رہنا ہے اور یہ انسانوں کے ہاتھوں ہی قائم ہوگا۔ ایسے انسانوں کے ہاتھوں جو اپنی آرزو کو مشیّتِ خداوندی سے ہم آہنگ کرلیں گے۔

یاد رکھیئے! کہ خارجی ماحول میں جو کچھ ظہور میں آتا ہے اس کا سرچشمہ انسانی آرزوئیں ہوتی ہیں۔ جس قسم کی آرزو اسی قسم کے خارجی احوال و کوائف۔ لہٰذا قوموں کے عروج و زوال کا مدار اُن کی موت وحیات کا انحصار اس پر ہے کہ اس قوم کے افراد میں آرزو کس قسم کی بیدار ہوتی ہے۔ اگر ہم "پیوندی گدڑی" اتارنے کے آرزومند ہیں تو ہمیں مومن بننے کی آرزو کرنی ہوگی کہ یہی مشیّتِ خداوندی ہے یعنی مروّجہ مذہب کو پھر سے دین میں تبدیل کرنے کے لئے ہمیں اپنے اندر وہ فکری اور قلبی تبدیلی پیدا کرنی ہوگی جسے قرآن نفسیاتی تغیر سے تعبیر کرتا ہے (۱۳/۱۱) اس تغیرِ نفس کے بغیر مسلمانانِ عالم کی موجودہ ابتر حالت بدل نہیں سکتی۔ ہرگز ہرگز بدل نہیں سکتی چاہے ہم کچھ بھی کرلیں۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات (اقبالؒ)

عزیزانِ من! یہ تھیں میری وہ معروضات جو میں نے جناب صدرِ پاکستان، اور جناب وزیرِ اعظم پاکستان کی خدمتِ اقدس میں ایک انگریزی مقالہ کی صورت میں پیش کیں۔ مقالہ کا عنوان تھا:

"ALLAH'S LAW OF CHANGING CONDITION OF A PEOPLE"

جناب صدرِ پاکستان نے ازراہِ شفقت جو جواب مرحمت فرمایا ہے اب وہ سُن لیں۔

No. 28(7)/Dir-2/91
PRESIDENT'S SECRETARIAT (PUBLIC)
AIWAN-E-SADR
ISLAMABAD
The 12th January, 1991

Dear Brig Izaz

I am desired to thank you for your letter dated 15th December, 1990 addressed to the President and for the copy of your paper on the subject of " Allah's Law of Changing Condition of a People." The subject of the paper is of topical importance and its contents I have food for thought for everyone. The advice contained in the paper, if followed, can bring about change for the better in the plight of the Muslims.

With regards.

صدرِ محترم کے خط کا آخری جملہ توجّہ طلب ہے

نوٹ "IF FOLLOWED" کے نیچے لکیر میری ہے

اس جملہ کا اردو میں ترجمہ کچھ یوں ہے :

"آپ کے مقالہ میں جو "ADVICE" (مشورہ) دیا گیا ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو مسلمانوں کی موجودہ ابتر حالت میں بہتری کی صورت نکل سکتی ہے"

"اگر اس پر عمل کیا جائے" سے تو یہی سمجھا جائے گا کہ "ADVICE" سے تو اتفاق ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے قاصر ہیں کیوں؟ ہوسکتا ہے کہ دستور (CONSTITUTION) صدر صاحب کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ہی ڈالنا نہ چاہتے ہوں۔ وجہ کوئی بھی ہو لیکن مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کے دین نے انسانوں کے تمام خود ساختہ ادیان پر غالب آکر رہنا ہے ——— وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ——— اللہ اس بات کی نگرانی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا (۲۸ : ۴۸) اگر ہمارے ہاتھوں سے نہیں تو "کوئی ہم سا" کے ہاتھوں سے قرآنِ حکیم کا یہ دعوےٰ پورا ہو کر رہے گا :

"ہم نہ ہوں گے، کوئی ہم سا ہوگا" (ناصر کاظمی)

کتنے خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے ہاتھوں سے یہ قرآنی دعویٰ پورا ہوگا۔ یہ ہم کیوں نہیں ہوسکتے!

بس اتنا سا احساس کبھی کبھی اثر انداز ہو جاتا ہے کہ

محبّت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے۔

والسّلام

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۲/۱۲۷)

عید کارڈ

"اللہ کی طرف سے حق آگیا جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے جس کا جی چاہے اس سے انکار کر دے کسی پر کوئی جبر نہیں" ۲/۲۵۶، ۱۸/۲۹

محترمی ـــــــ السّلام علیکم

◎ عید ایک اسلامی جشن ہے جو نزولِ قرآن کی یاد میں منایا جاتا ہے اور جسے منانے کا خود اللہ تبارک و تعالےٰ نے حکم دیا ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۱۰/۵۸

مفہوم :- " ان سے کہہ دو کہ (قرآن کا ملنا) اللہ کے فضل اور رحمت سے ہے۔ انہیں چاہیئے کہ اس پر خوشیاں منائیں۔ یہ ہر اس شئے سے بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔"

اللہ کا دعوےٰ ہے کہ " جو قوم بھی اللہ کی طرف سے ملی ہوئی راہنمائی (قرآنِ کریم) پر چلے گی، اسے نہ کسی قسم کا خوف ہوگا نہ پریشانی۔ نہ حزن نہ سرگردانی" (۲/۳۸)

یعنی دنیا اور آخرت دونوں میں عزت، دولت، خوشی، سکون اور چین ہی چین ہوگا۔

عیدِ نزولِ قرآن مُبارک

مبارک کہ ہمیں اللہ تعالےٰ اور اس کی وحی قرآنِ کریم پر ایمان لانے کی سعادت نصیب فرمائی

مبارک کہ ہمیں اللہ تعالےٰ نے جشنِ مسرت منانے کیلئے زندگی کی مہلت "عطا کی

لیکن :- ہمیں یہ حقیقت بہرحال پیشِ نظر رکھنی ہوگی کہ

" وحی ایک روشنی ہے جو سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ لیکن روشنی صرف اسی کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے" ۴۲/۵۲

زندگی بھر نہ سرابوں کے ہی منظر دیکھو
دوستو خواب کی دہلیز سے باہر دیکھو
رنگ تو رنگ ہیں موسم ہی بدل جائینگے
رُوحِ قرآن میں اک بار اتر کر دیکھو

ادارہ میں موصول ہونے والے عید کارڈوں کے ہجوم میں ایک عید کارڈ یہ بھی تھا۔ ـــــ قاسم نوری

مقالہ : قاسم نوری

آبروئے ما زِ نامِ مصطفےٰ است

دوستو! ایک تو ہوتی ہے 'عقیدت' اور ایک ہوا کرتی ہے 'حقیقت' دونوں کے اپنے اپنے دستور اپنے اپنے اسلوب اور اپنے اپنے طور طریق ہوتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوا کرتے ہیں "عقیدت" کا تعلق جذبات سے ہوا کرتا ہے جب کہ "حقیقت" جذبات سے ماوراء ہوتی ہے۔ اس کی اساس عقل و برہان پر ہوا کرتی ہے۔ جذبات کسی قانون کو نہیں مانتے، کسی دستور پر نہیں چلتے۔ جس طرح ہوا اور پانی اپنا راستہ آپ بناتے ہیں بعینہٖ جذبات بھی اپنا راستہ خود تراشتے اور بناتے ہیں۔ یہ جذبات جس ہستی یا شخصیت سے وابستہ ہو جائیں، اسے شخصیت نہیں رہنے دیتے، بُت بنا لیتے ہیں۔ پھر سارے زمانے کی خوبیاں اسی میں سمٹ آتی ہیں۔ جہاں بھر کا حُسن اسی سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ چاند اس کے آگے ماند ہوتا ہے، ستارے اس کے سامنے ذرّے ہوتے ہیں۔ آفتاب اس کے عارض سے چمک دمک مانگا کرتا ہے ___ پھول اس سے مہک لیا کرتے ہیں اور زمین کی جُنبشیں اس کی چال ڈھال سے اپنی رفتار کشید کیا کرتی ہیں ___ وہی سرمایۂ حیات ہوتا ہے وہی وجۂ کائنات محسوس ہوتا ہے اور یہ سب ہم نہیں کہہ رہے ہوتے، ہماری عقیدتیں بول رہی ہوتی ہیں ___ جذبات کی یہ سطح اور عقیدتوں کی یہ انتہا پرستش کہلاتی ہے۔ ہم مرکزِ عقیدت کو بُت بنا لیتے ہیں اور لاشعوری طور پر اسے پوجنا شروع کر دیتے ہیں ___ لیکن "حقیقت" ___ ؟ ___ "حقیقت" اس کے برعکس ہوتی ہے ایک ایسے آئینہ کی مانند جس میں انسان کے صحیح خد و خال نظر آتے ہیں جو جیسا ہے ویسا ہی دکھائی دیتا ہے۔

دوستو! ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے نہ یہ اختیار کسی کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی خاندان اور کس گھرانے میں پیدا ہو ___ اگر ہم کسی سِکھ ماں کے پیٹ سے جنم لیتے تو یہ ساری کائنات گورو بابا نانک جی کے لئے بنائی گئی ہوتی ___ کسی عیسائی گھر میں پیدا ہوتے تو ایمان یہ ہوتا کہ اگر حضرت عیسیٰ پیدا نہ ہوتے تو یہ دنیا بھی ظہور میں نہ آتی ___ اگر کسی یہودی کے ہاں پیدا ہوئے ہوتے تو پھر اس زمین و آسمان کی ساری عظمتیں، ساری خوبیاں اور ساری رعنائیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہوتیں۔

سو بجا کہ ’آبروئے ماز نامِ مصطفٰے است‘ کہ یہ نامِ مصطفٰے ہی ہمارے ایمان کا سرچشمہ ہے۔ ہماری
ت ع حیات ہے۔ کل کائنات ہے۔ وجہ عزّ و شرف ہے لیکن سوچنا یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ محض عقیدت کی بنا پر
ہے یا حقیقت کی بنا پر ــــ یا پھر ہم دونوں کو خلط ملط کر رہے ہیں۔
دُودھ میں اگر پانی مِلا دیا جائے تو پھر وہ نہ خالص دُودھ رہے گا نہ خالص پانی۔ اسی طرح ”حقیقت“ پر ”عقیدتوں“
کے رنگ چڑھا دیئے جائیں تو شناخت مشکل ہو جائے گی پہچان مِٹ جائے گی۔
محترم دوست محمد لطیف چوہدری صاحب نے ایک مرتبہ خوبصورت بات کہی تھی کہ دریا کا صاف شفّاف پانی
جسے بِلا جھجک اور بِلا تامّل پیا جاتا ہے اگر ٹیسٹ کیلئے کسی لیبارٹری میں بھیج دیا جائے تو اس میں بے شمار
چیزوں کی آمیزش کا انکشاف ہوگا۔ پھر اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ سَو فیصد خالص پانی کہاں سے ملیگا تو اسے دریا
کے منبع یعنی پانی کے سرچشمے تک جانا پڑے گا۔ اسی سرچشمہ پر پہنچ کر ہم خالص پانی حاصل کر سکیں گے۔ آج دین
اور مذہب اس طرح خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ہزار کوشش پر بھی ہم دونوں کو الگ الگ نہیں کر سکتے۔ کبھی مذہب
کو عین دین سمجھنے لگتے ہیں اور کبھی دین کو مذہب کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں ــــ یہ جو اسلام ہمارے سامنے ہے
یہ ڈیڑھ ہزار سال سے مختلف تہذیبوں، ملکوں، زمانوں اور رسوم و روائتوں کی وادیوں سے گذرتا ہوا ہم تک پہنچا
ہے۔ آج اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ اس میں کن کن غیر قرآنی خیالات و عقائد کی آمیزش ہے تو اسے بہرحال اصل
منبع اور اصل سرچشمہ تک پہنچنا ہوگا اور وہ سرچشمہ ہے قرآنِ کریم، منبعٔ رشد و ہدایت۔ وہی لیبارٹری ہے جس سے
کھوٹے کھرے کی پہچان ہوگی اور جیسا کہ محترم علاّمہ غلام احمد پرویزؒ صاحب نے اپنے مضمون ’
’ میرا سرمایۂ حیات “ میں تحریر کیا ہے۔ اسی لیبارٹری سے یہ حقیقت واشگاف ہو سکے گی کہ:

> جس اسلام کو آج مسلمان اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں وہ قطعاً وہ اسلام نہیں ہے جسے اللہ تبارک و تعالےٰ نے دیا تھا اور جسے اس کے رسولِ اکرمؐ نے عملاً متشکل کر کے دکھایا تھا۔ موجودہ اسلام مجموعہ ہے چند بے رُوح عقائد اور بے جان رسومات کا ــــ یہ ہزار برس سے انہی بے رُوح عقائد اور بے جان رسومات کو عین دین سمجھے ہوئے چلا آ رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نیا سورج اس کیلئے ذلّت و افلاس کا رسوا کُن عذاب لے کر نمودار ہوتا ہے۔ آج دنیا میں تعداد کے لحاظ سے اور جغرافیائی پوزیشن کے اعتبار سے مسلمانانِ عالم کو سب سے زیادہ طاقتور ہونا چاہئے تھا اور اس نصب العین اور پیغام کی رُو سے جس کا اس قوم کو حامل بنایا گیا تھا اسے انسانیت کا امام بننا چاہئے تھا لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ یہ اپنی زندگی اور بقا کیلئے اقوامِ یورپ کے رحم و کرم پر ہیں، کوئی انہیں زندہ قوموں میں شمار کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ یہ اس وقت تک سانس لے

سکتے ہیں جب تک یورپ کی طاقتیں اپنی مصلحتوں کے ماتحت انہیں سانس لینے کی اجازت دیں۔ باقی رہا شرفِ انسانیت ؟ سو جو قوم اپنی روزی تک کیلئے دوسروں کی محتاج ہو اسے شرفِ انسانیت سے کیا تعلق ؟"

دوستو! وہ جو ہمیں ذلّت کی پستیوں سے اٹھانے آیا تھا، کفر کے اندھیروں سے نکالنے آیا تھا۔ جذبات کی اندھی گھاٹیوں سے نکال کر "حقیقت" کے آسمان تک سربلند و سرفراز کرنے آیا تھا۔ جو یہ دعویٰ لے کر آیا تھا کہ قیامت تک آنے والی جو نسل، جو قوم 'وحیٔ خالص' پر عمل پیرا ہوگی۔ وہی تمام کرۂ ارض پر غالب آئے گی اور کائنات کی ساری قوتیں اور عظمتیں اسی کے سامنے خمیدہ سر ہونگی، جُھک جائیں گی۔ سجدہ ریز ہو جائیں گی۔ دنیا بھی اسی کی ہوگی اور آخرت کا عزّ و شرف بھی اسی کا نصیب بنے گا ـــــ آج فضائے عالم پوچھتی ہے 'کہاں ہے اس دعوے کی صداقت ؟!! معاذ اللہ، معاذ اللہ خاکم بدہن کیا فرمودۂ نبی غلط تھا ؟ کیا اللہ کا وعدہ، وعدہ نہ تھا غلط بیانی تھی۔ یا ہم غلطی پر ہیں، غلط ہیں۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ انگلینڈ میں ایک عیسائی مبلّغ خاتون ہمارے گھر آئیں۔ کئی دن تک عیسائیت کی تبلیغ کرتی رہیں جب انہیں یقین ہو گیا کہ ہم پر ان کی تبلیغ کا کوئی اثر نہیں ہوگا تو وہ جھنجلا سی گئیں۔ کہنے لگیں آپ کو اپنے قرآن پر یقین ہے ؟ کہ یہ سچّی کتاب ہے اور ساری دنیا کے انسانوں کے مسائل کا حل اپنے اندر رکھتی ہے جب ہم نے اقرار کیا تو کہنے لگیں یا تو آپ جھوٹ بول رہے ہیں یا (معاذ اللہ) یہ کتاب جھوٹی ہے۔ ہمارے نیت کی بے بسی کا تلخی کا محسوس کرتے ہوئے کہنے لگیں کہ کوئی اندھا اگر کسی گڑھے کی جانب بڑھتا جا رہا ہو جس میں گر کر وہ ہلاک ہو سکتا ہو اور آپ اسے دیکھ رہے ہوں تو کیا آپ اس کے مرنے کا تماشا دیکھیں گے یا اسے بچانے کی کوشش کریں گے ؟! ہم نے کہا یقیناً بچائیں گے کہنے لگیں اس وقت دنیا کی آبادی زیادہ سے زیادہ چھ ارب ہوگی جس میں زیادہ سے زیادہ ایک ارب مسلمان ہونگے۔ اور آپ کے عقیدے کی رُو سے بس وہی جنّت کے مستحق ہیں باقی پانچ ارب انسان جہنّم میں جائیں گے ـــــ جو کل مر گئے۔ ان کی بات نہیں کرتی جو آئندہ پیدا ہو کر مریں گے ان کا ذکر بھی نہیں کرتی ـــــ آج کی دنیا کے پانچ ارب انسان، آپ کی نظروں کے سامنے جہنّم کے گڑھے کی طرف بڑھ رہے ہیں' بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور اس میں گر کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بھسم ہو جانے والے ہیں اور آپ تماشا دیکھ رہے ہیں ؟ انہیں بچانے کی کوشش نہیں کرتے نیند کیسے آجاتی ہے آپ کو ؟ حلق سے نوالہ کیسے اتر جاتا ہے ؟ اتنی بڑی ہلاکت اور متوقع تباہی، چین کیسے لینے دیتی ہے ؟ وہ بتانے لگیں، میں پانچ بچّوں کی ماں ہوں اپاہج بہن ہے۔ گھریلو ذمّہ داریاں بھی ہیں۔ ملازمت بھی کرتی ہوں اس کے باوجود ہر روز دو گھنٹے نکالتی ہوں۔ ایک ایک دروازے پر دستک دیتی ہوں۔ ایک ایک سے کہتی ہوں۔ مہلت کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ وہاں جا کر لوٹ نہیں سکو گے اور وہاں موت بھی

نہیں آئے گی ۔ یہیں اپنی کوتاہیوں کا ازالہ کرلو ۔ اس مہلت کے وقت سے فائدہ اٹھا کر اپنا ایمان درست کرلو ——— لیکن آپ ایسا نہیں کرتے ۔ شاید اس لئے کہ آپ کو خود بھی یقین نہیں ہے کہ آپ کا قرآن سچا ہے۔ آپ تذبذب میں ہیں ۔ شک و شبہ میں ہیں ۔ اگر آپ کو یقین ہو کہ اللہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا ۔ اس کے وعدے غلط نہیں ہو سکتے تو پھر آپ یقیناً قرآن پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کے درخشندہ نتائج سے آگاہ و آشنا کریں۔

وہ چلی گئیں لیکن ان کی طنز کا نشتر دل میں اُتر گیا ——— دوستو! ہم اگر قرآن کو مانتے ہیں ۔ اس پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس کے مطابق کوئی تبدیلی بھی پیدا نہیں کرتے تو یہ قرآن کی عملاً تکذیب ہے ۔ ہمارے کردار و گفتار کا یہ تضاد واضح اعلان ہے کہ قرآن ناقابلِ عمل ہے' ناقابلِ اعتماد و اعتبار ہے ۔ قرآن سے کہیں زیادہ ہماری اپنی عقل بھروسے کے لائق ہے جس کے مطابق ہم زندگی کے فیصلے کرتے ہیں اور اپنی صبح و شام بسر کرتے ہیں ۔ کیا اس طرح ہم قرآن و اسلام کی تضحیک اور جگ ہنسائی کا سبب نہیں بنتے؟ خود کو اور دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش نہیں کرتے ؟ جس نام کو ہم اپنی آبرو، عزت و منزلت اور افتخار و وقار کا موجب گردانتے ہیں خود اسی ذاتِ مکرّم و محترم کے لئے باعثِ شرمندگی اور وجۂ رسوائی نہیں بن جاتے؟ خدارا مت کہیئے کہ ہماری آبرو نامِ مصطفٰےؐ سے عبارت ہے ۔ مت کہیئے کہ ہم اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی کی اطاعت کے قائل ہیں ۔ مت کہیئے کہ اللہ کا نبی برحق ہے اور اس کا اسوہ ہی اتباع کے لئے ضروری ہے، ہمارا ایمان ہے ——— ایمان محض لفظوں کی بے ساکھیوں کا محتاج نہیں ہوتا ۔ عمل کا تقاضا کرتا ہے ۔ اگر عمل نہیں کر سکتے تو اس نام سے خود کو منسوب کرنے کا حق بھی کسی کو نہیں پہنچتا ——— یہ تو منافقت ہے کہ دعویٰ اس پر ایمان کا ہے اور عمل اس ایمان کی تکذیب کا ۔ اور میں گواہی میں پیش کرتا ہوں پوری سورۂ منافقون کو کہ منافق کی بخشش کسی حال میں نہیں ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم رسید ہوگا بلکہ جہنم کے بھی آخری حصہ میں رہے گا ——— سوچیئے کہ سوچنے کا وقت بھی ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے ——— یہ مہلت کی سانسیں کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی ہیں رک سکتی ہیں ۔ جو وقت گذر گیا ، گذر گیا ۔ اب تو دل کی گہرائیوں سے قرآن کی صداقتوں پر ایمان لے آئیے ۔ اب تو کفر کے چھینٹوں سے اپنے دامنِ ایمان کو پاک صاف کر لیجیے :

یہ کیسی نیند ہے لوری کہ جاگتے ہی نہیں
اجل بدوش قیامت تو سر پہ آ بھی چکی !

آئیے ! دیکھتے ہیں کہ وہ ہادئ برحقؐ ۔ وہ اللہ کا سفیرؐ وہ خاتم النبیینؐ ، اللہ کا کیا پیغام ہم تک پہنچانے آیا تھا، وہ کیا کہا کرتا تھا اور ہم کیا کرتے ہیں :

ہم نفس، وقت ہے گمراہ کہ آدم گمراہ
آ، ذرا تجزیۂ قصۂ آدم تو کریں

اس نے کہا: تَتَفَكَّرُوا (۳۴/۳۶) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ (۴: ۸۲)، (۴۷: ۲۴) سوچا کرو۔ قرآن پر غور و فکر کیا کرو۔

ہم نے کہا: مذہب میں فکر و تدبّر حرام ہے۔

اس نے کہا: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ (۱۷/۷۰) دنیا کا ہر انسان برابر کی عزت و تکریم کا مستحق ہے۔

ہم نے کہا: ہرگز نہیں۔ مدارج اللہ کی طرف سے مقرر ہوتے ہیں۔ جسے چاہتا ہے وہ عزت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ وہی امیر بناتا ہے وہی فقیر کرتا ہے۔

اس نے کہا: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (۶/۱۶۰) مجھے اللہ کا حکم ملا ہے کہ وہ لوگ جو دین کے فرقے بنا لیتے ہیں اور اس طرح خود کو الگ الگ فرقوں میں تقسیم کر لیتے ہیں اے رسول! تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

ہم نے کہا: اللہ کہتا ہے تو کہتا رہے۔ رسولؐ نے تو کہا ہے کہ قیامت سے پہلے بہتر ۷۲ فرقے ہونگے۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب جہنمی ہونگے

اس نے کہا: کوئی مومن کسی جائیداد اور زمین کا مالک نہیں ہو سکتا کہ زمین اللہ کی ہوتی ہے اور تمام نوعِ انسان کیلئے کھلی ہوتی ہے سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (۴۱/۱۰) اس میں ہر ضرورت مند کیلئے برابر کا حصہ ہوتا ہے۔

ہم نے کہا: ہوتا ہے تو ہوتا ہوگا ہم تو زمین پر اللہ کے خلیفے ہیں۔ وہ جس کو جس زمین کا چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے۔

اس نے کہا: اسلام میں ذاتیں یعنی شیخ، مرزا، سیّد وغیرہ اور گوت اور پیشے کے امتیاز کو کوئی دخل نہیں ہوتا اصل شئے ایمان ہوتی ہے (۲۶/۱۱۱) لہٰذا جو لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد بیٹی داماد، نواسے یا خاندان کے حوالے سے 'سیّد' کہلاتے ہیں اور اس طرح خود کو منفرد۔ برتر اور محترم بنا لیتے ہیں دراصل وہ اپنے اور دوسرے انسانوں کے درمیان امتیازی فرق پیدا کر لیتے ہیں اور انسانوں میں فرق کرنا کفر بلکہ شرک بن جاتا ہے۔ اسی طرح، چوہدری، میاں، رانا، خان اور اسی طرح کے دیگر حوالوں سے دوسرے انسانوں سے مختلف یا الگ و ممتاز ہو جانے کا تصور بھی غیر انسانی بلکہ غیر اسلامی ہو جاتا ہے۔

ہم نے کہا: جی نہیں ——— یہ تو پہچان اور شناخت کے لئے ہوتے ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کے گھرانے کا کوئی فرد اور عام مومن ایک جیسا اور ایک سطح کا ہو جائے ——— سیّد سب سے افضل ذات ہے ——— باقی ذات والوں پر اس کی تکریم فرض ہے۔

اس نے کہا سُود لینے والا اور سود دینے والا دونوں کافر بلکہ مشرک ہوتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا اور اتنا بھیانک جرم ہے کہ اللہ اسے اپنے اور اپنے رسولؐ کے خلاف بغاوت کہتا ہے۔ اعلانِ جنگ قرار دیتا ہے۔
(۲: ۲۷۹)

ہم نے کہا ہم نہیں مانتے آج دنیا کا سارا نظام ہی بینکنگ پر ہے۔ سود کے لین دین پر ہے۔ حکومتیں سود پر چلتی ہیں۔ تنخواہیں تک سُود سے ملتی ہیں۔ سود نہیں لیں گے تو کہاں جائیں گے؟

اس نے کہا ہر وہ کمائی اور پیسہ جس کے حصول میں اپنی محنت شامل نہ ہو، حرام قرار دے دی گئی لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۵۳/۳۹) انسان کیلئے بس اتنا ہی ہے جتنی اس میں اس کی محنت شامل ہے۔
یہ پرائز بانڈ، لاٹری کے ٹکٹ، ریفل ٹکٹ۔ قرعہ اندازیاں جمع شدہ دولت پر INTEREST انشورنس کی رقم۔ بینک کے کھاتے، سیونگز سرٹیفکیٹ، دوکانوں اور مکانوں کے کرائے۔ سلیپنگ پارٹنر شپ۔ زمین کی بٹائی۔ غرض ہر وہ کمائی جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو قرآن کی رُو سے نہ صرف حرام ہے بلکہ جو لوگ اس طریقے سے دولت کماتے ہیں۔ ان کیلئے عذاب شدید کی وعید ہے۔ قرآن کا حوالہ ہے (۹/۳۴-۳۵) غور سے سُن لیجئے! فرمایا:

"ان سونے اور چاندی کے سکوں کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دولت جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا (اور محنت کے بغیر حاصل کر رکھا تھا) سو اب چکھو اس کا مزا۔"

ہم نے کہا یہ بات اگر مان لیں تو بھوکوں مر جائیں۔ آسانی سے اور وہ بھی مفت کی دولت ہاتھ لگے تو اسے چھوڑنا سراسر بے وقوفی ہے۔

اس نے کہا تمہارے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو بھی کچھ ہے وہ دوسرے ضرورت مندوں کے لئے کھلا چھوڑ دو اور جب دوسروں کو دو تو نہ اس کا احسان جتاؤ، نہ اعلان کرتے پھرو حتیٰ کہ شکریہ تک کے طلبگار مت ہو (سورہ رحمٰن)

ہم نے کہا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک تو دوسروں کی مدد کریں اور اخبار میں تصویر بھی نہ چھپوائیں۔ زمانے بھر سے داد بھی وصول نہ کریں۔ اس داد کیلئے تو ریڈیو، اخبارات اور ٹی۔وی والوں کو بطور رشوت ہزاروں بھی خرچ کرنے پڑیں تو مہنگے نہیں۔ نیکی اور نیک دلی کا پوری برادری میں چرچا نہ ہو تو بات کیا بنی۔

اس نے کہا اطاعت صرف اور صرف اللہ کی ہے۔ یہ اختیار کسی رسولؐ کو بھی حاصل نہیں کہ وہ کسی سے اپنی اطاعت کرائے۔

ہم نے کہا ہم تو اپنے ووٹوں سے اپنی مرضی کے حاکم مقرر کریں گے اور ان کے عطا کردہ قانون کی اطاعت کریں گے گھروں میں کئی کئی ملازم رکھ کر ان سے اپنی اطاعت اور غلامی بھی کرائیں گے ـــــ پیغمبری مل جانے کے بعد کسی بھی رسولؑ کے گھر میں کوئی ذاتی خدمتگار اور ملازم نہیں ہوا کرتا تھا حتیٰ کہ کسی صحابیؓ کے گھر میں بھی کوئی ذاتی ملازم یا ملازمہ نہیں ہوتی تھی ۔یہ تعلیماتِ قرآنی کے یکسر خلاف ہے ۔لیکن ہماری شان اور وجہ امتیاز ہی یہ ہے کہ افرادِ کنبہ سے زیادہ ملازمین کی تعداد دکھائی دے ۔ایک آدھ ملازم رکھنا تو اب ادنیٰ سے ادنیٰ گھر کا بھی رواج بن گیا ہے۔

ہمارے دور کی ٹریجڈی ہی یہ ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریاں بھی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں ۔اپنے کام بھی دوسروں سے کرانا چاہتے ہیں ۔رزق بھی وہی مرغوب ہے جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو ۔کریڈٹ بھی ان کاموں کا حاصل کرتے ہیں جو کام سرے سے ہم جانتے ہی نہیں اور کرتے ہی نہیں ـــــ جب قومیں اس نہج پر پہنچ جاتی ہیں تو ان کی توانائی، صلاحیت اور قوتِ عمل مضمحل ہو جاتی ہے اور پھر وہی ہوا کرتا ہے جو آج مسلمانوں کے ساتھ اقوامِ یورپ کر رہی ہیں ـــــ دوستو! تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے کہ

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

ہمارا رسولؐ جو کچھ ہمیں دے گیا اور کہہ گیا ہم نے عملاً اس کی تکذیب کی ۔پھر بھی دعوےٰ ہے کہ ہم عاشقانِ رسولؐ ہیں ۔شب و روز نعتوں کے ڈھیر اور درود کے انبار لگاتے ہیں میلاد کی محفلیں سجاتے ہیں ۔جب جب کوئی رسول کا نام بھی لیتا ہے تو اپنے انگوٹھے آنکھوں سے لگاتے اور اس کے نام کو بار بار چومتے ہیں ۔صرف اس بات پر بحث کرتے ہیں اور ایک نیا فرقہ بنا لیتے ہیں کہ خالی خُولی "رسول اللہ" کہنا رسول کی توہین ہے "یا رسول اللہ" کہنا چاہیئے کہ رسولِ پاکؐ کا نام ہی تو ہماری عزت ہے ہماری آبرو ہے ۔

اس نے کیا کیا ہم سے کہا تھا ۔آج ہمیں کچھ یاد نہیں
پیار کی اس دوکان میں لیکن لفظوں کا انبار ملا ہے

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ!

شکریہ!

قاسم نوری

ملک حنیف وجدانی

سیاسی پارٹیاں

سیاسی پارٹیوں کے وجود کو خلافِ قرآن قرار دینے کے لئے راولپنڈی سے جناب عبدالرزاق صاحب کی درخواست وفاقی شرعی عدالت میں ابھی تک زیرِ سماعت ہے۔ طلوعِ اسلام نے اپنی اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں جناب عادل صاحب کے ۲۱ سوالات جو انہوں نے وفاقی شرعی عدالت کے سامنے پیش کئے تھے، شائع کرتے ہوئے قارئینِ طلوعِ اسلام کو دعوتِ فکر دی تھی، جس کے جواب میں مری سے ملک حنیف وجدانی صاحب سے جوابات موصول ہوئے ہیں، جو دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے شاملِ اشاعت ہیں

یاد رکھیے!

وحدتِ اُمّت اور اس کے بعد وحدتِ انسانیت کا مدار وحدتِ قانون پر ہے اور قانونی وحدت اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب اس کی بنیاد کتاب اللہ پر ہو جو تمام نوعِ انسان کیلئے ضابطۂ حیات ہے!!

سوال:۔ کیا اُسوہ صرف انبیاءؑ کے اقوال و افعال مجموعہ احادیث تک محدود ہے یا اس میں کوئی اور ہستی یا ذات بھی شامل ہے۔ مثلاً صحابہؓ جن کو قرآن کریم میں انبیاءؑ کا ساتھی کہا گیا ہے۔ کیا وہ بھی اس میں شامل ہیں؟

جواب:۔ سوال ۷ کے جواب میں لکھا جا چکا ہے کہ "اُسوہ حسنہ" کسی کی دادرسی کرنے کی ایک قابلِ تقلید یگانۂ روزگار مثال کہی جا سکتی ہے۔ یہ مثالیں کئی طرح کی ہو سکتی ہیں۔ حالات اور زمانہ سے اس اُسوہ میں تبدیلی ممکن ہے جبکہ "سنت اللہ" غیر متبدل ہیں۔

اب ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

I۔ سوال میں "انبیاءؑ کے اقوال و افعال" کا ذکر ہے۔ سابقہ انبیاءؑ کی تفصیل قرآن میں بہت کم ہے۔ اس لئے "انجیل مقدس" کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔ اس ضمن میں سوال کا دوسرا پہلو "انبیاءؑ کے ساتھی" ہے۔ ہم ان دونوں پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم جو کئی لحاظ سے محلِ نظر بھی ہے انجیل میں درج شدہ ہے۔

(۱)۔ "کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر اسے ناپاک نہیں کر سکتی مگر جو چیزیں آدمی سے نکلتی ہیں وہی آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔" (مرقس ۷/۱۵)

ب۔ "جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے۔ وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر وہ اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔"

(مرقس ۱۰/۱۲)

ج۔ "اور اس سے سارے دل، ساری عقل اور ساری طاقت سے محبت رکھنی اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھنی سب سوختنی قربانیوں اور ذبیحوں سے بڑھ کر ہے۔"

(مرقس ۱۲/۳۳)

د۔ "تو جو اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے۔ اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر کیوں خیال نہیں کرتا۔" (لوقا ۶/۴۱)

ہ۔ "تم اپنے دشمنوں سے محبت کرو اور بغیر نا امید ہوئے بھلا کرو اور قرض دو۔" (لوقا ۶/۳۵)

و۔ "تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ ہماری روز کی روٹی ہر روز ہمیں دیا کر" (لوقا ۱۱/۲)

ز۔ "یسوع نے پھر ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں دنیا کا نور ہوں۔ جو میری پیروی کریگا اندھیرے میں نہ چلے گا بلکہ زندگی کا نور پائے گا۔" (یوحنا ۸/۱۲)

ح۔ "میں تمہیں ایک نیا حکم دیتا ہوں کہ ایک دوسرے سے محبت رکھو جیسے میں نے تم سے محبت رکھی ایسے ہی تم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھو۔ اگر آپس میں محبت رکھو گے تو اس سے سب جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔" (یوحنا ۱۳/۳۵)۔

ط۔ "جھوٹی قسم نہ کھانا، بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لئے پوری کرنا۔" (متی ۵/۳۳)

ی۔ "بلکہ جب تو دعا مانگے تو اپنی کوٹھڑی میں جا۔ اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا مانگ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دیگا۔" (متی ۶/۶)

ک۔ "

ل۔ "اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو۔" (متی ۲۰۔۶/۱۹)

(انجیل مقدس از پنجاب اگزلری بائبل سوسائٹی لاہور، ایڈیشن ۱۹۰۴ء)

اب ہم اس سوال کے دوسرے حصے "انبیاء کے ساتھی" کا انجیل مقدس کے نقطۂ نظر سے جائزہ لیتے ہیں جو "رسولوں کے اعمال" کے نام سے "انجیل مقدس" کے ساتھ ہے۔

ا۔ "جو ایمان لائے وہ سب ایک جگہ رہتے تھے اور ساری چیزوں میں شریک تھے اور اپنی جائداد اور اسباب بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے۔" (اعمال ۴۵۔ ۳/۴۴)

ب۔ "اور ایمان داروں کی جماعت ایک دل اور ایک جان تھی اور کسی نے بھی اپنے مال کو اپنا نہ کہا بلکہ ان کی سب چیزیں مشترک تھیں۔" (اعمال ۵/۳۲)۔

غالباً یہی قرآن میں بیان کردہ حواری تھے۔

ج۔ "تم کو غلامی کی روح نہیں ملی جس سے پھر ڈر پیدا ہو۔" (رومیوں ۸/۱۵)

اب شریعت میں تبدیلی کا اثر ملاحظہ ہو۔

د۔ "پس جو کوئی حاکم کا سامنا کرتا ہے۔ وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے اور جو مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے۔" (رومیوں ۱۳/۲)

ہ۔ "خدا نے دنیا کے بے وقوفوں کو چن لیا تاکہ حکیموں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے

کمزوروں کو چُن لیا تاکہ زور آوروں کو شرمندہ کرے اور خدا نے دنیا کے کمینوں اور حقیروں کو چُن لیا بلکہ بے وجودوں کو بھی تاکہ موجودوں کو نیست کرے۔" (کرنتھیوں ۲/۲۷)

د۔ "وہ بدنام کرتے ہیں ہم منت سماجت کرتے ہیں۔ ہم آج تک دنیا کے کوڑے اور ساری چیزوں کی گرد کی مانند رہے۔" (کرنتھیوں ۵/۱۳)

ز۔ "خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہوا۔ شریعت کے ماتحت پیدا ہوا۔" (گلتیون ۴/۴)

یہاں پیدائشِ مسیحؑ کا تصور محلِ نظر رہنا چاہیئے۔ جن کی پیدائش شریعت کے مطابق ہوئی تھی۔

ح۔ "ساری چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اسی سے ساری چیزیں قائم رہتی ہیں۔" (کلیسوں ۱/۱۸)

ط۔ "ہم سنتے ہیں کہ تم میں بعض بے قاعدہ چلتے ہیں۔ اور کچھ کام نہیں کرتے بلکہ اوروں کے کام میں دخل دیتے ہیں۔" تھسلنیکیون ۳/۱۱)۔

ی۔ "آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔" (تیمتھیس ۲/۱۴)۔

ک۔ "بلکہ اپنے معدے اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کر۔" (ایضاً ۶/۲۳)۔

ل۔ "خدا سے ڈرو۔ بادشاہ کی عزت کرو۔" (پطرس ۲/۱۷)' (انجیل مقدس ایضاً)

بات اندر کو پاک کرنے سے شروع ہوئی تھی اور بادشاہ کی عزت کرنے پر ختم ہو گئی۔ ملوکیت کے خلاف سراپا احتجاج مذہب اس کا مؤید بن کر رہ گیا۔

اب ہم قرآن کریم کے حوالہ جات کی طرف آتے ہیں جس سے بات یقینی طور پر ایک صاف واضح اور روشن دھارا اختیار کرے گی۔ قرآن کریم سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے بارے میں کچھ نکات سامنے لاتے ہیں۔

۱۔ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۳/۵۵)۔

۲۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۳/۵۲)۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام نے تعلیم و تربیت سے اپنی جماعت کو کافروں سے پاک کر لیا اور ان کو کافروں پر برتری دلادی۔

انہوں نے اپنی جماعت (حواریوں) سے اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کی پیش کش کی تو انہوں نے کہا کہ ہم ہیں جو اللہ کی راہ میں ہر قربانی و امداد دیں گے۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں۔

قرآنِ کریم کی شہادت خالص افراد کے لئے موجود ہے جبکہ انجیل مقدس کے لحاظ سے انہوں نے دین و دنیا کو الگ الگ کر دیا تھا۔ بادشاہ کے گُن گانے لگے تھے۔ شراب کے عادی ہو گئے تھے اور ان میں فرقہ بندی پیدا ہو گئی تھی۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ (۱۹/۳۷)

قرآن کریم بھی ان کی فرقہ بندی کی تصدیق کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس اُسوہ پر قائم نہ رہ سکے جو حضرت عیسٰےؑ کا تھا۔ یہ بات اپنی جگہ موجود ہے کہ انجیل مقدس کو صرف شانِ نبوت عیسٰے علیہ السلام تک نہیں رہنے دیا گیا بلکہ اس کے ساتھ ان کے ساتھیوں کے احوال و کوائف، تقاریر بلکہ خطوط تک درج کر دیئے گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں احادیث پیغمبر عیسٰے علیہ السلام کے ساتھ احادیثِ صحابہ بھی شامل کر دی گئی ہیں اور وحی یکساں شمار ہوتی ہے۔ اس کے برعکس

قرآن کریم　　لَا رَيْبَ فِيْهِ (۲/۲)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵/۹)۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (۱۷/۸۸)۔

جن و انس مل کر قرآن کی مثل نہیں لا سکتے۔

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ (۴۱/۴۲)۔

باطل نہ اس کے آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔

صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں وہی کچھ ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا۔ اس میں اقوال و سوالات کفار و مشرکین بھی ہیں اور احوال و کوائفِ انبیاءؑ بھی۔ لیکن یہ سب منزل من اللہ ہیں۔ تصدیق

شُدہ ہیں۔ ان میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں۔ جہاں تک قرآن کے بعد احادیث جمع کرنے کا سوال ہے۔ عیسائی حضرات کی طرح مسلمانوں نے بھی ویسا ہی کیا۔ جامعینِ حدیث میں ایک عربی اور باقی سب عجمی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے آثار و کوائف بھی جمع کئے گئے لیکن ہمارے ہاں جو کچھ قرآن کے مطابق ہے، وہ اُسوہ شمار ہو گا۔ جو قرآن کے خلاف ہے، وہ اُسوہ شمار نہیں کیا جا سکتا اور افسوس کہ ہماری تاریخ قرآن کے مطابق نہیں ہے۔

اہلِ عرب اور تعلیم

"نہ عرب میں کوئی مدرسہ تھا نہ عربی میں کوئی کتاب تھی نہ عربوں میں کوئی تعلیمیافتہ تھا۔ بلاذری نے صرف مکہ کے سترہ آدمیوں کے نام گنائے ہیں جنہوں نے اپنی تجارتی ضرورت سے معمولی نوشت و خواند حیرہ والوں سے سیکھی تھی اور مدینہ کے کُل گیارہ آدمی۔" (تاریخ الامت جلد ہشتم ص۳۵)

اسلام ان میں آیا اور علم فرض قرار دیا گیا اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم، تربیت، شفقت و مروت اور مربیانہ عزت افزائی سے ان کو گرویدہ کر لیا۔ وہ قرآنی تعلیم کی پُرکشش چار دیواری میں آ گئے۔ حفاظ اور عالم پیدا ہونے لگے۔ جاہلیت شعرا اسلام کے شاعر بن گئے۔ یوں صحابہؓ کرام کا وہ طبقہ پیدا ہوا جس نے اسلام کی بھاگ ڈور سنبھالنے کی صلاحیت اور صالحیت پیدا کر لی۔ اور صحابہ کرامؓ کا یہ طبقہ اپنے علم و عمل کے لحاظ سے اُسوۂ رسولؐ کو برقرار رکھنے کا اہل بن گیا۔

اس کی تفصیل سوال ۱/۶ میں "مملکت کو چلانے کا علم و عمل" کے تحت درج کی جا چکی ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے کیونکہ کوئی اُسوہ علم و عمل کے بغیر برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ عصرِ حاضر میں یہ اُسوہ "قانون سازی کے دور" کے طور پر برقرار رہے گا۔ ہم قانون سازی کے وقت سابقہ دور کے علمِ حدیث اور علمِ فقہ کو بالکل نظر انداز نہیں کر سکتے۔

؎ پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

سوال:۔ کیا مجموعہ احادیث پر مبنی علم کلام، قرآن کریم، وحی خداوندی سے ہٹ کر بھی صحیح ہو سکتا ہے اور یہ کہ اس علمِ کلام کو قیام الدین میں کیا پوزیشن و کردار حاصل ہے؟

جواب:۔ آپ سوال ۳ کے جواب کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمالیں۔ اس سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ انسان نام ہے۔

۱. تن۔ بدن۔ جسم۔

۲. انا۔ خودی۔ I ۔ میں۔ رُوح کے یکجا ہونے کا۔

دراصل انسان کا اختیار و ارادہ راہنمائی چاہتا ہے۔ خودی۔ میں۔ I کو کتابِ راہنما چاہیئے جو قرآنِ کریم ہے۔ اور خودی کا آئیڈیل خود (خدا) اللہ ہے۔ اللہ کی تمام صفات جن کو انسان اپنے اندر مشہود کر کے اللہ کے رنگ میں رنگا جا سکتا ہے، یہ تمام و کمال قرآن کے اندر موجود ہیں۔

قرآن ہم تک صاحبِ قرآن جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا۔ قرآن کا ہر حرف ہر لفظ لبِ مبارک حضورؐ سے ادا ہونے کے بعد کائنات میں پہلی بار آواز کی شکل میں نمودار ہوا۔ جس کو کاتبانِ وحی نے حروف و الفاظ کی صورت میں ڈھالا۔ حفاظ نے اس کو زبانی حفظ کر لیا اور آج جو قرآن ہمارے پاس ہے۔ یہ اللہ کی رحمت اور احسان سے ہم تک پہنچا ہے اور عملی طور پر اس میں حضورؐ اور صحابہ کرامؓ بھی شامل ہیں۔ قرآن کریم ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔ یہ ۲۳ سالہ دورِ نبوت ہی "صحیح تاریخ اسلام" کا دور ہے۔ اس دور میں کیا کچھ ہوا، کیوں ہوا، کیسے ہوا، سب کچھ تاریخ کا حصہ ہے۔ تاریخ اور قرآن کی کیا اہمیت ہے۔ اس بارے میں علامہ اسلم جیراجپوری اپنی کتاب "تاریخ الامت جلد ہشتم میں لکھتے ہیں۔

> "تاریخ الامت کو مکمل کئے ہوئے ایک مدت گزر گئی۔ اس درمیان میں بارہا یہ خواہش ہوئی کہ اس پوری تاریخ پر قرآنی زاویہ نگاہ سے ایک تنقیدی نظر ڈالی جائے تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ آج جن جن مصائب و آلام میں وہ گرفتار ہے۔ وہ اس کی کن کن غلط کاریوں اور قرآن کی مخالفتوں کے نتائج ہیں۔"
>
> (صفحہ ۷)

اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ تاریخ میں قرآن کی کیا اہمیت ہے۔ جس کو نظر انداز کر کے ہم فرقوں میں بٹ گئے۔

اب آپ حدیث کے بارے میں علامہ اسلم جیراجپوری کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے۔

> "خلفائے بنی امیہ نے ملک، فوج، خزانہ پر قبضہ کر کے سیاسی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھی اور دینی قیادت چھوڑ دی جو علماء کے ہاتھوں میں آگئی۔ ہر مقام

کے اہلِ علم وہاں کے لوگوں کی رہنمائی کرنے لگے۔ اس میں اختلافات واقع ہونے شروع ہوئے جن کے فیصلے کے لئے کوئی مرکز نہ تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مرکز بنائی گئی اور ہر مسئلہ اور ہر اجتہاد کے لئے روایت کا سلسلہ نکالا گیا۔" (ایضاً ص۱۷۷)

آگے چل کر اس پر مزید روشنی ڈالتے ہیں۔

"قرآن کو خلفائے بنی اُمیّہ (بجز حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ) اور خلفائے بنی عباس نے جو دراصل مستبد سلاطین تھے۔ اپنی مخصوص سیاست سے متروک کر رکھا تھا۔ اب ان زاویوں نے دینی حیثیت سے بھی اس (قرآن) کو روایتوں کے اندر دفن کر دیا۔ اس کی تشریح و تفسیر بھی اسی سے کرنے لگے اور حدیث کا تسلط یہاں تک بڑھ گیا کہ امام اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ نے کہا کہ قرآن اس سے زیادہ حدیثوں کا محتاج ہے جس قدر حدیثیں قرآن کی اور امام یحییٰ بن کثیر نے کہا کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے۔ قرآن حدیث پر قاضی نہیں ہے۔ روایتوں سے قرآن کے عام کو خاص، خاص کو عام، مقید کو مطلق اور مطلق کو مقید بلکہ اس پر اضافے بھی کرنے لگے۔ نیز بعض ائمہ فقہ نے روایات سے آیات کو اصولاً منسوخ کرنے کا فتوےٰ دے دیا۔ اس طرح پر قرآن کے استقلال کو مٹا کر اس کو حدیثوں کا ماتحت بنا دیا۔ جس کی بدولت دین خالص نہیں رہا بلکہ روایتی ہو گیا اور اس میں سینکڑوں باتیں ایسی داخل ہو گئیں جن کا نام و نشان بھی قرآن میں نہیں ہے۔"

(ایضاً صفحہ ۱۷۹ — ۱۷۸)

اب ہم حدیث کو علم کلام کے ساتھ ملاتے ہیں لیکن پہلے ذرا علم کلام کی بات واضح ہو جائے۔ فلسفہ اور علم کلام میں کیا فرق ہے؟ علم کلام کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی؟

اس بارے میں ہم اس سیمینار کے مضامین سے استفادہ کرتے ہیں جو ۲ تا ۴ اپریل ۸۷ء کراچی میں 'اقبال' فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں پڑھے گئے یا علم کلام پر مبنی کوئی کتاب ہے۔

علم کلام کی ابتداء

"معتزلہ نے مسلمانوں کے عقاید کو خارجی اثرات اور حملوں سے بچانے کے لئے پہلی بار عقلی اور

فلسفیانہ بنیادوں پر علم الکلام کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ بہت ہی کم عرصے میں اس کو بامِ عروج تک پہنچا دیا۔"

ڈاکٹر سید محمد حسین جعفری
مضمون۔ فکر اسلامی کے ارتقار کا ایک تاریخی جائزہ

(اقبال: فکر اسلامی کی تشکیل جدید، صہ ۳۰)

آئیے اب ذرا علم الکلام کی تعریف متعین کرلیں۔

"جب عقلی استدلال اور فلسفیانہ تدبّر کو چند مخصوص مذہبی عقائد کی تصدیق و توثیق کے لئے وقف کر دیا جائے تو وہ فلسفہ نہیں رہتا بلکہ علم الکلام کہلاتا ہے۔"

اقبال کا علم الکلام

(از سید علی عباس جلالپوری، صہ ۱۴)

"میں پہلے عقیدہ رکھتا ہوں پھر غور و فکر کرتا ہوں۔" (صہ ۴)

"علم کلام کیا ہے؛ پہلے عقیدہ رکھنا پھر غور و فکر کرنا۔ جو شخص آزادانہ غور و فکر کے بعد عقیدہ اختیار کرے گا وہ متکلم نہیں رہے گا فلسفی کہلائے گا۔" صہ ۴

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ امت سے مرکزیت ختم ہوگئی۔ سیاست اور مذہب الگ الگ ہوگئے احادیث کے مجموعے علم کلام والوں کے پاس آ گئے۔ اب قرآن سے ہٹ کر علم کلام کی روشنی میں احادیث کی کیا پوزیشن ہوگی۔ یا احادیث والا علم کلام قرآن کے سامنے کس معیار پر ہوگا۔

اس سلسلے میں ہم صرف تقدیر پرستی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

"مسلمان علمار کے واشگاف احتجاج کے باوصف تقدیر پرستی کی ترویج ہوئی، جو اخلاق کو پست کر دینے والی چیز تھی۔" (اقبال کا علم کلام۔ صہ ۳۲)

"ڈاکٹر سخاؤ نے سچ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں میں اشعری اور غزالی نہ ہوتے تو ان میں اب تک کئی گلیلیو اور نیوٹن پیدا ہو چکے ہوتے۔"

(اقبال کا علم کلام، صہ ۶۰)

اگر علم کلام کے اثر سے محدثین مرعوب ہو جاتے تو ضعیف اور مرسل احادیث بھی ہمارے گلے کا ہار بن جاتیں۔ آج تک احادیث کی جانچ پرکھ جاری ہے۔ مرحوم مودودی صاحب تک بخاری شریف کی تمام احادیث کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے۔ احادیث پر تحقیق کا جتنا کام ہوا ہے۔ وہ سب علم کلام کی تجدید کے مترادف ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ے طبعِ مشرق کے لئے موزوں یہی افیون تھی ۔ ورنہ قوّالی سے کچھ کم تر نہیں علمِ کلام

ے کلام و فلسفہ از لوحِ دل فرو شستم ۔ ضمیرِ خویش کشادم بہ نشترِ تحقیق

اس کے برعکس علّامہ اقبالؒ اپنا فلسفۂ خودی پیش کرتے ہیں اور اس کے لئے ہر انداز بیان اختیار کر کے انہوں نے خودی کی بیداری کا درس دیا۔ کیونکہ قرآن ہی خودی کی راہنما کتاب ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ے اگر خواہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز

وہ صوفیاء اور درویشوں کو چیلنج دے کر کہتے ہیں۔

ے "وائے درویشے کہ ہوئے آفرید ۔ باز لب بربست و دم در خود کشید
حکم حق را در جہان جاری نکرد ۔ نانے از جو خورد و کرّاری نکرد
خانقاہے جست و از خیبر رسید ۔ راہبی ورزید و سلطانی ندید
نقش حق داری؟ جہاں نخچیر تست ۔ ہم عناں تقدیر با تدبیر تست
عصرِ حاضر با تو می جوید ستیز
نقش حق بر لوحِ ایں کافر بریز"

(کلیاتِ اقبال، صفحہ ۷۱۹ – ۷۱۸)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

ے زندگی آں را سکون غار و کوہ ۔ زندگی ایں را ز مرگِ با شکوہ
آں خدا را جستن از ترک بدن ۔ ایں خودی را بر فسانِ حق زدن
آں خودی را کشتن و وا سوختن ۔ ایں خودی را چوں چراغ افروختن

(کلیاتِ اقبال صفحہ ۸۱۸)

ہمارے مسائل کا حل کلام و فلسفہ نہیں بلکہ خودی اور قرآن کا تعلق پیدا کرنا ہے تاکہ مردِ مومن خدا کے رنگ میں رنگا جائے۔ اقبالؒ کے مزید دو شعر ملاحظہ ہوں۔

ے یہ ذکرِ نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تیری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

؎ خودی شیر مولا جہاں اس کا صید ۔ زمین اس کی صید آسماں اسکا صید

سوال ۱۔ الدّین اور شریعت نیز کلام اللہ، سنّت اللہ اور شریعت میں کیا تعلق اور فرق ہے۔ اور یہ کہ الدّین تو تمام انبیاءؑ کا ہمیشہ ایک رہا۔ کیا شریعت بھی ایک تھی؟ حالانکہ ایک ہی دَور میں قرآنِ کریم کے مطابق مختلف اقوام کی طرف الگ الگ انبیاء مبعوث ہوئے ہیں؛

جواب:۔ سوال ۲ کے جواب میں سنّت الاوّلین، سنّت اللہ اور سنّت الانبیاء کی بحث تفصیل سے درج ہے اسے وہاں دیکھ لیں۔ یہاں ہم

I۔ الدین۔ شریعت
II۔ کلام اللہ۔ شریعت
} کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ دین کا لفظ غلبہ، قانون معاشرہ، یا دستور مملکت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جب اس کے ساتھ "ال" آئے تو الدّین سے وہی نظامِ مملکت، نظامِ معاشرہ یا دستورِ مملکت مراد ہو گا جس کا تعلق قرآنی نسبت سے ہو یا اللہ کی نسبت سے ہو۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (۳/۱۹۔ ۳۔۲/۳۹)۔

وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵/۳)۔

اس نقطۂ نظر سے الدّین ہی اسلام ہے اور یہاں بھی الدّین کی جگہ "الاسلام" کی بات ہونی چاہیئے تھی۔ اسلام شروع سے آجتک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی طرف آیا اور وہ مسلم کہلائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا۔ (۱۲/۱۰۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں ہے۔

مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ؕ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (۲۲/۷۸، ۲۲/۴۲، ۲۷)

گویا اسلام اور مسلم کی قدامت تصدیق شدہ ہے۔

اب ہم کلام اللہ" کا جائزہ لیتے ہیں۔

حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبْلِغْہُ مَاْمَنَہٗ (۹/۶)

یہاں کَلٰمَ اللّٰہِ سے مراد وحی یا قرآن ہے۔

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلٰمَ اللّٰہِ (۴۸/۱۵)۔

یہاں بھی اس سے مراد وحی یا قرآن ہے۔

وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (۹/۴۰)

اللہ کی بات ہی بلند و بالا ہوگی۔ یہاں بھی اس سے مراد وحی یا قرآن ہے۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ (۶/۱۱۵)
وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (۶/۳۴) } اللہ کے کلمات غیر مبدل ہیں۔

اب ہم الدین (الاسلام) اور کلام اللہ کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ الدین یا الاسلام وحی کا نام نہیں یا یہ کلام اللہ نہیں، بلکہ وحی، قرآن یا کلام اللہ کے مطابق انسانی معاشرے میں جو اقتدار، غلبہ، حکومت، مملکت بنتی ہے اس کو الدّین یا الاسلام کہتے ہیں۔ (اس کو کھانا پکانے کی تحریر اور باورچی خانہ سے نسبت دی جاسکتی ہے)۔ اب ہم شریعت کا جائزہ لیتے ہیں۔

اَلشَّرِيْعَةُ ۔ پانی پینے کا گھاٹ۔ واضح راستہ۔ منزل کی نشان دہی کرنے والا صاف راستہ۔

لیکن مذاہب کی دنیا میں شریعت اور الدّین (الاسلام) میں بڑا فرق ہے۔ جب دین مذہب میں تبدیل ہوجائے تو اس وقت وحی پر کم اور شریعت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ جب شریعت میں انسانی فکر کی آمیزش زیادہ ہوجائے تو اس کو بدلنے کے لئے خدا دوسرا رسول بھیج دیتا تھا۔ اب ختم نبوت کے بعد شریعت کو اجتہاد سے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قابلِ عمل بنایا جاسکیگا۔

شریعت سابقہ کے سلسلہ میں ہم انجیل مقدس سے مثالیں دیتے ہیں کہ اس وقت یہودیوں کی شریعت کیسی تھی۔

"مسیح نے ہمارے لئے لعنتی بن کر اور ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا، سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔"

(گلتیوں ۱۳-۳/۱۲- (انجیل مقدس ایڈیشن ۱۹۰۴ء
پنجاب اگزلری بئبل سوسائٹی لاہور)

آپ اندازہ فرمایئے کہ "شریعت کی لعنت سے چھڑایا"

اب آپ ذرا ان تفاصیل کا بھی جائزہ لے لیں جو اس لعنتی شریعت میں موجود تھیں اور جن کی وجہ سے وہ لعنتی بنائی گئی۔

"سب گمراہ ہیں سب کے سب نکمّے ہیں۔
کوئی بھلا کرنے والا نہیں۔ ایک بھی نہیں۔

ان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے۔
انہوں نے اپنی زبانوں سے فریب دیا۔
ان کے ہونٹوں میں سانپوں کا زہر ہے۔
ان کا منہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہوا ہے۔
ان کے قدم خون بہانے کے لئے تیز رفتار ہیں۔
ان کی راہوں میں تباہی اور بدحالی ہے۔
وہ سلامتی کی راہ سے واقف نہ ہوئے۔
ان کی آنکھوں میں خدا کا خوف نہیں۔" (رومیوں ۱۸ - ۳/۱۰)

مزید حوالہ ملاحظہ ہو۔

"تو جو اوروں کو سکھاتا ہے اپنے آپ کو کیوں نہیں سکھاتا۔ تو جو وعظ کرتا ہے کہ چوری نہ کرنا، آپ خود کیوں چوری کرتا ہے۔ تو جو کہتا ہے کہ زنا نہ کرنا آپ خود کیوں زنا کرتا ہے۔ تو جو بتوں سے نفرت کرتا ہے۔ آپ خود کیوں مندروں کو لوٹتا ہے۔ تو جو شریعت پر فخر کرتا ہے، شریعت کے عدول سے خدا کی کیوں بےعزتی کرتا ہے۔" (رومیوں ۲۴ - ۲/۲۱)۔

اگر کوئی زندہ قوم اپنا جائزہ لینا چاہیئے تو یہ کس قدر تلخ حقائق ہیں یہودی فقیہوں کے بارے میں جناب مسیحؑ کا فرمان۔

"فقیہوں سے خبردار رہنا۔ جو لمبے جامے پہن کر پھرنا اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجے کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر جگہ پسند کرتے ہیں۔ وہ بیوہ عورتوں کے گھروں کو جلا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں۔" (لوقا ۴۷ - ۲۰/۴۶)

ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

اے اندھے راہ بتانے والو! تم پر افسوس ہے جو کہتے ہو کہ اگر کوئی مقدس

کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن اگر مقدس کے سونے کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔

اے احمقو اور اندھو! کون بڑا ہے۔ سونا یا مقدس۔ جس نے سونے کو مقدس کیا۔ پھر کہتے ہو اگر کوئی قربان گاہ کی قسم کھائے تو کچھ بات نہیں لیکن جو نذر اس پر چڑھی ہو اگر اس کی قسم کھائے تو اس کا پابند ہوگا۔ اے اندھو! کون سی بڑی ہے نذر یا قربان گاہ۔ جو نذر کو مقدس کرتی ہے۔" (متی ۱۹۔ ۱۵/۲۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ تلخ نوائی یہودی شریعت کے خلاف ہے۔ اگر یہودی شریعت کو سامنے رکھا جائے اور اس کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صدائے احتجاج کو برحق قرار دیا جائے تو آج مسلمانوں کے مختلف فرقوں کی شریعت کے خلاف برحق صدائے احتجاج کونسی ہوگی؟

جہاں تک الدّین، کلام اللہ اور شریعت کے موازنہ کا تعلق ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ ہر نبی نے زمین پر آسمانی اقدار کو رائج کر کے نظام معاشرہ پر اپنی گرفت کرنی شروع کی تو سابقہ مذہب والے اس کے خلاف ہو گئے۔ اس طرح حضرات انبیائے کرامؑ کو ہجرت کر کے اپنی دعوت کے موافق سرزمین تلاش کرنا پڑی۔

گویا الدّین یا الاسلام اس کلام اللہ یا وحی یا آج صرف اور صرف قرآن سے متشکل کیا جا سکتا ہے اس بارے میں اب تک جو علمی کوششیں کی گئی ہیں وہ ہر فرقہ وارانہ شریعت پر مبنی ہیں۔ اگر پاکستان میں پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار دیا جائے تو پارلیمنٹ سب سے پہلے

۱۔ فرقہ بندی اور پارٹی بازی کو ممنوع قرار دے۔

۲۔ موجودہ حالات میں بتدریج قانون سازی کر کے قابلِ عمل حد تک شریعت میں قرآنی منشاء کے مطابق تبدیلی کر کے ملت میں وحدت پیدا کی جائے۔

۳۔ قرآن، حدیث، فقہ، اجماع اور قیاس سے کام لے کر پارلیمنٹ قابلِ عمل متفقہ اجتہاد کر سکتی ہے ورنہ تقلید غلامی ہی غلامی ہے۔

حقائق و عبر

ماں کے پاؤں کے نیچے جنّت ہے

ہمارے علماء، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنّت ہے" بیان کرتے نہیں تھکتے۔ ماں عورت ہی تو ہوتی ہے اور جب اس عورت کو اس کے انسانی حقوق دیئے جاتے ہیں تو ان حضرات کا اسلام فوراً خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ حال ہی میں اسلامی جمہوری اتحاد نے سینٹ کے ڈپٹی چیئرمین کے طور پر، ایک عورت کو منتخب کیا ہے تو علماء کی جانب سے اس کے خلاف تحریک چلائی جا رہی ہے اور اسے اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کی نظامِ اسلام سے غدّاری قرار دیا جا رہا ہے۔ اسے انہی کے الفاظ میں سُنیئے :-

> اب جب کہ خود اسلامی جمہوری اتحاد نے اپنا ڈپٹی چیئرمین بجائے مرد کے خود ایک عورت کو نامزد کیا ہے تو ہم اس حکومت سے اسلام کے نفاذ کی توقع کس طرح کر سکتے ہیں؟ اس عمل سے معلوم ہوا کہ موجودہ حکومت جس اسلام کے نفاذ کا دعویٰ کرتی رہی ہے وہ انگریزی معاشرت کے رنگے ہوئے "مسلمانوں" کا اسلام ہے جس میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نہیں بلکہ "میکاولی" کی "طریقت" اور کارل مارکس کی "معرفت" ہوگی۔ وزیراعظم نواز شریف پہلے بھی اپنے ایک اعلان کے ذریعے "بنیاد پرستی" سے بدکے ہوئے ہیں اس لئے نورجہاں پانیزئی کو امیدوار نامزد کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم عورت مرد کی مساوات کے قائل ہیں
>
> ہمارے نزدیک یہ نامزدگی اسلام کے مطابق نہیں ہے۔ عورت کو اس منصب پر بھی نامزد کرنا غلط ہے۔ یہ منصب وہ ہے کہ چیئرمین کی عدم موجودگی میں ڈپٹی چیئرمین اس کے فرائض کا ذمّہ دار ہوگا۔ گویا یہ عہدہ سینیٹ کے چیئرمین ہی کا ہے۔ اس سے اور آگے چلئے تو سینیٹ کا چیئرمین ملک کے صدر کی عدم موجودگی میں قائم مقام صدر ہونے کا حقدار ہے یوں اگر صدر اور سینیٹ کا چیئرمین دونوں ایک ہی وقت ملک سے باہر ہوں تو ڈپٹی چیئرمین صاحب (صاحبہ بھی) کے ذمّے ملک کے قائم مقام صدر کے فرائض ہونگے۔ یوں محترمہ نورجہاں پانیزئی بھی ہماری قوم کی فلاح کی گردن کشی تک

تک پہنچ سکتی ہیں ۔"

(ہفت روزہ الاعتصام، بابت ۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء صفحات ا، اور ۲۰)

اس کے خلاف انہوں نے وہی حضرت ابوبکرہ رض کی روائت کردہ ضعیف حدیث پیش کی ہے کہ جس کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "جو قوم عورت کو اپنا حکمران بنائے گی وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی" خیال رہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ضعیف ہیں جن کی تفصیلات طلوعِ اسلام کے صفحات پر پیش کی جاچکی ہیں۔ اس کے صحابی راوی حضرت ابوبکرہ رض کو حضرت عمر رض نے اسّی کوڑے شرعی حد کے طور پر لگائے تھے اور معمولی سے معمولی دنیاوی معاملے میں بھی ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے (تہذیب التہذیب از ابن حجر عسقلانی جلد دہم ص ۴۶۹)

تہذیب التہذیب، فرقہ اہلحدیث کی مستند کتاب ہے اس کے مصنّف اس حدیث کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ لیکن فرقہ اہلِ حدیث کے اسلام کی تو بنیاد ہی ضعیف احادیث پر ہے۔ اس لئے اس کے حوالے سے عورتوں کو ان کے اسلامی حق سے محروم کرنا، ان کی مجبوری ہے!

دنیا کی واحد اسلامی حکومت

فرقہ اہلِ حدیث کی جانب سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ دنیا میں واحد سعودی عرب ہی ایسا ملک ہے جہاں اسلامی نظام نافذ ہے۔ اس سلسلے میں ہفت روزہ الاعتصام کی ایک حالیہ اشاعت میں یہ دعویٰ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"قرآن وسنّت کے قوانین صرف سعودی عرب کی عدالتوں میں نافذ ہیں۔"

پورے عالمِ اسلام میں سعودی عرب واحد ملک ہے جہاں قرآن وسنّت کے قوانین نافذ ہیں۔ آلِ سعود کو اللہ تعالےٰ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ اپنے ملک میں قرآن وسنّت کو نافذ کردیا ہے اور قرآن وسنّت کی خدمت کیلئے اپنی دولت کو وقف کرچکے ہیں۔ مدینہ منورہ میں عظیم پریس مجمع الملک، فہد الطباعۃ المصحف الشریف کے ذریعے لاکھوں قرآن مجید چھپوا کر پوری دنیا میں فراہم کررہے ہیں اور اب وہاں احادیث کی تمام کتابوں کو چھپوانے کا اہتمام شروع ہے "مرکز خدمۃ السنۃ والسیر النبویۃ" جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے زیرِ اہتمام احادیث کی تمام کتابوں کی تحقیق کا کام شروع ہے۔"

(ہفت روزہ الاعتصام بابت ۲۹ مارچ ۱۹۹۱ء ص ۱۸)

فرقہ اہلِ حدیث کے علماء سے درخواست ہے کہ وہ یہ بھی واضح فرمادیں کہ کیا ان کے نزدیک ملوکیّت بھی اسلامی نظام کا ایک حصّہ ہے؟

قرآنی تعلیم بچّوں کیلئے

قاسم نوری

آخرت (مرنے کے بعد کی زندگی)

السّلام علیکم بچّو! مسلم یا مومن بننے کے لئے پانچ باتوں پر ایمان لانا لازمی ہوتا ہے۔ اللہ، ملائکہ، آسمانی کتابیں، تمام رسول اور آخرت (۲/۱۷۷، ۴/۱۳۶) ان میں سے چار کے بارے میں ہم آپ کو تفصیل سے بتا چکے ہیں اور آج آخرت کے بارے میں تحریر کریں گے۔

بچّو! آپ نے ماضی (PAST) حال (PRESENT) اور مستقبل (FUTURE) کے لفظ ضرور سنے ہوں گے۔ جو دن گذر جاتا ہے وہ ماضی بن جاتا ہے، جو دن ہم گذار رہے ہوتے ہیں وہ حال ہوتا ہے اور آنے والا دن مستقبل کہلاتا ہے۔ یہ تینوں باتیں لازمی ہوتی ہیں جن سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا۔ یعنی ماضی بھی ضرور ہوتا ہے۔ حال تو ہوتا ہی ہے اور مستقبل بھی یقینًا (DEFINITE) ہوا کرتا ہے۔

یہاں مجھے ایک بات یاد آگئی۔ ایک دن ایک بہت ہی ذہین بچّے نے مجھ سے کہا: "انکل جو آدمی مرجاتا ہے تو وہ تو اپنے حال میں مرتا ہے نا تو پھر اس کے لئے تو مستقبل کا لفظ بے کار ہوگیا۔ اس کا تو صرف ماضی تھا اور حال تھا؟"

میں نے کہا بے شک تم نے صحیح سوچا لیکن بھئی ذرا سا غور کرو تو دیکھو گے کہ اس کے

پاس یہ تینوں تھے، ماضی بھی تھا، حال بھی تھا اور مستقبل بھی تھا۔ جب وہ پیدا ہُوا تو یہ اس کا "حال" تھا۔ اور آنے والا ہر ایک دن اس کا مستقبل تھا ــــ وہ جُوں جُوں بڑا ہوتا گیا اس کا "حال" ماضی بنتا گیا اور اس کا اگلا دن "مستقبل"۔ اس طرح اس کی زندگی میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں شامل رہے۔ کوئی فرد ہو یا قوم ہو وہ مانے یا نہ مانے اُسے ان تینوں سے واسطہ ضرور پڑتا ہے۔

" آخرت " بھی مستقبل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آپ اسے "انتہائی مستقبل" کہہ سکتے ہیں، یعنی جہاں پہنچ کر زندگی ختم ہو جائے، اس سے آگے کا مستقبل۔ "مرنے کے بعد کی زندگی"۔

بھئی ابھی آپ نے پڑھا ہے نا کہ ماضی، حال، مستقبل یقینی اور لازمی ہوتے ہیں۔ اس سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا اور اگر انکار کر بھی دے تو کچھ فرق نہیں پڑتا، یہ تینوں پھر بھی لازمی ہوں گے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اپنی وحی یعنی قرآنِ کریم کے ذریعہ سے یہ سمجھایا ہے کہ زندگی "مرجانے" سے ختم نہیں ہو جاتی اور صرف اسی دنیا کی نہیں ہوتی بلکہ مرنے کے بعد بھی آگے چلتی ہے ــــ یعنی دنیا کی زندگی "حال" ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی ہمارا "مستقبل" ہوگا۔

بچو! جب تک اس بات پر ایمان نہ لایا جائے انسان مسلم ہو ہی نہیں سکتا ($\frac{17}{45}$) یعنی آخرت کے اس قرآنی تصوّر پر ایمان نہ رکھنے والا، قرآن کی روشنی پاکر بھی اندھیرے ہی میں (محجوب) رہتا ہے ($\frac{17}{45}$)"۔ قرآنِ کریم اور آخرت پر ایمان لازم و ملزوم ہے" ($\frac{6}{93}$) " ہر فرد یا نوعِ انسان دنیا میں ایک خاص متعیّن مدّت تک رہتا ہے۔ یعنی یہاں قیام مستقل نہیں ہے " بلکہ اس کی مستقل اور ابدی زندگی

آخرت میں گذرے گی) (6/2 ، 6/60 ، 17/99 ، 39/42 ، 40/67) آخرت سے انکار کرنے والوں کے لئے اللہ نے کہا " ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ زندگی صرف اسی دنیا کی ہے اس کے بعد کچھ نہیں "۔ (6/29 ، 23/37 ، 45/24) حقیقت یہ ہے کہ " آخرت پر ایمان رکھنے والے ہی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں " (6/93) " آخرت سے انکار کرنے والے بھیانک عذاب میں مبتلا ہوں گے " (17/10 ، 34/8) اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو مشرک کہا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں (41/7)

اچھا بچو! سوچنے والی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت پر ایمان لانے پر اتنا زور کیوں دیتے ہیں؟ اور اس کے نہ ماننے سے فرق کیا پڑتا ہے؟ بھئی سابقہ مضمون "عمل اور مکافاتِ عمل" میں آپ نے پڑھا تھا کہ ہم جو بوتے ہیں وہی کاٹنا پڑتا ہے۔ گندم بوئیں گے تو جو تو نہیں کاٹیں گے نا۔ گندم ہی کاٹیں گے۔ اسی طرح ہم جو بھی کام کریں گے اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلے گا۔ تو ایک اچھا مستقبل بنانے کیلئے ہمیں اپنے حال میں اچھے اچھے کام بھی کرنے پڑیں گے۔ اب اگر اچھے کام کئے بغیر ہی مر گئے تو پھر تو عمل کے لئے وقت بھی نہیں رہے گا۔ تو سوچو ہمارا وہ مستقبل (آخرت) کیسا ہو گا جہاں ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہو گا؟ اسی لئے تو اللہ نے کہا ہے کہ کل کا انتظار مت کرو آج ہی ایمان لاؤ اور اچھے کام کرنے شروع کر دو کیونکہ " جب موت سامنے آجائے گی تو پھر ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا (کیونکہ پھر تو ہم مر جائیں گے اور عمل کے لئے وقت ہی نہیں رہے گا) (10/90)۔ تو بچو! اس سے پہلے کہ عذاب (یا موت) آجائے۔ اللہ کے قانون کی طرف رُخ کر لو " (39/54 - 58)

کیونکہ جو لوگ اسی زندگی کو منتہائے مقصود سمجھ

لیتے ہیں۔ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔"
(2/102، 2/201، 3/76، 11/15، 17/18، 42/20، 46/20، 53/29)

پیارے بچو! عقل مند لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو آنے والی تباہی سے بچنے کا پہلے سے بندوبست کرتے ہیں۔ اچھے مستقبل کے لئے دکھ اٹھانا بھی پڑے تو اٹھاتے ہیں۔ خوب محنت کرتے ہیں۔ اچھے اچھے کام کرتے ہیں، جیسے ایک کسان اچھی فصل اٹھانے کے لئے سارا سال دکھ اٹھاتا ہے۔ دن رات محنت کرتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس سے اس کی فصل اور محنت ضائع ہو جائے یا جس طرح قابل بننے کے لئے ایک طالب علم دن رات محنت کرتا ہے اور کبھی نہیں چاہتا کہ وہ فیل ہو جائے اور ذلت اور شرمندگی کی زندگی گذارے۔ لہٰذا یاد رکھو! کہ "قرآن کی تعلیم یعنی وحی بھی ایک روشنی ہے جو سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ لیکن روشنی تو اس کو فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔" (42/52)

اور بچو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ:

"رسول بھی جسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے جو خود ہدایت لینا چاہتا ہے۔" (28/56)

(قاسم نوری)

ماہنامہ طلوعِ اسلام کے پرانے پرچے
خریدنے کے لئے

رابطہ

حکیم میاں نور حسین چشتی — معرفت — عاصم کلینک — علی پور چٹھہ

مطبوعات طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ان قیمتوں میں ڈاک اور پیکنگ کا خرچ شامل نہیں

بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے تحریکِ پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر منفرد مفکرِ قرآن، بانیٔ تحریکِ طلوعِ اسلام
اور تحریکِ پاکستان گولڈ میڈلسٹ علامہ غلام احمد پرویزؒ کی

تصنیفات

نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن ۔ (مکمل سیٹ ۔ کھلے پارے)	۲۴۰/۰۰ روپے
پارہ نمبر ۱، ۳۰ (فی پارہ)	۹/۰۰ "
پارہ نمبر ۲ تا ۲۹ (فی پارہ)	۸/۰۰ "
مفہوم القرآن (مکمل سیٹ ۔ مجلد)	۲۵۰/۰۰ "
(تین جلدوں میں ۔ فی جلد)	۹۰/۰۰ "
لغات القرآن (مکمل سیٹ ۔ مجلد ۔ ایک جلد میں)	۲۹۰/۰۰ "
چار جلدوں میں ۔ (فی جلد ۔/۷۵)	۳۰۰/۰۰ "
تبویب القرآن ۔ تازہ ایڈیشن (تین جلدوں میں)	۲۵۰/۰۰ "
(ایک جلد میں)	۲۴۰/۰۰ "
مطالب الفرقان ۔ سات جلدیں (مکمل)	۵۷۰/۰۰ "
جلد اوّل، سوم، پنجم اور ششم ۔ (ہر جلد)	۷۵/۰۰ "
جلد دوم	۸۰/۰۰ "
جلد چہارم	۹۰/۰۰ "
جلد ہفتم ۔ (اعلیٰ ایڈیشن)	۱۰۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۴۰/۰۰ "
من و یزداں (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "
ابلیس و آدم (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "
جوئے نور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "
برقِ طور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "

نام کتاب	قیمت
شعلۂ مستور (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ روپے
معراجِ انسانیت (تازہ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "
مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں (اعلیٰ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۲۰/۰۰ "
انسان نے کیا سوچا؟ (تازہ ایڈیشن)	۷۵/۰۰ "
اِسلام کیا ہے؟ (تازہ ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
کتابُ التقدیر (تازہ ایڈیشن)	
جہانِ فردا	
شاہکارِ رسالتؐ (ڈیلکس ایڈیشن)	۴۵/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۲۰۰/۰۰ "
نظامِ ربوبیّت (اعلیٰ ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۲۰/۰۰ "
تصوّف کی حقیقت	۴۰/۰۰ "
قرآنی قوانین	۶۰/۰۰ "
(ڈیلکس ایڈیشن)	۵۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۱۰/۰۰ "
سلیم کے نام خطوط (مکمل سیٹ)	۸۵/۰۰ "
(جلد اوّل ۔/۴۰ روپے، جلد دوم ۔/۲۰ روپے، جلد سوم ۔/۲۵ روپے)	
طاہرہ کے نام خطوط (ڈیلکس ایڈیشن)	۶۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	

نام کتاب	قیمت
ختمِ نبوّتؐ اور تحریکِ احمدیّت	۴۵/۰۰ روپے
حُسنِ کردار کا نقشِ تابندہ (تازہ ایڈیشن)	۱۲/۰۰ "
اقبالؒ اور قرآن۔ (جلد اوّل (ڈیلکس ایڈیشن)	۴۵/۰۰ "
جلد دوم (ڈیلکس ایڈیشن)	۷۰/۰۰ "

نام کتاب	قیمت
ISLAM_A CHALLENGE TO RELIGION	
DELUXE EDN.	Rs. 100/= روپے
STUDENT EDN.	Rs. 35/=
EXPOSITION of the HOLY QURAN VOL. I (UPTO SURA AL-KAHAF)	Rs. 200/=

متفرق کتب

نام کتاب	قیمت
مقامِ حدیث	۱۰/۰۰ "
قرآنی فیصلے حصّہ اوّل (سابقہ جلد اوّل، دوم، سوم)	۶۰/۰۰ "
جلد چہارم، پنجم (فی جلد)	۱۳/۰۰ "
تحریکِ پاکستان اور پرویزؒ (ڈیلکس ایڈیشن)	۲۵۰/۰۰ "
(سٹوڈنٹ ایڈیشن)	۷۰/۰۰ "
نوادرات۔ مجلّد (H.B.)	۷۵/۰۰ "
پیپر بیک	۶۰/۰۰ "

نام کتاب	قیمت
اسبابِ زوالِ اُمّت	۳/۰۰ "
قتلِ مرتد اور غلام اور لونڈیاں اور یتیم پوتے کی وراثت	۸/۰۰ "
ابلۂ مسجد	۷۵/۰۰ "
اِسلامی معاشرت	۶۰/۰۰ "
PRINCIPLES OF LAW MAKING IN ISLAM	
ISLAMIC WAY OF LIVING (ENGLISH VERSION OF THE BOOK ISLAMI MUASHIRAT BY G.A. PARWEZ)	
DELUXE EDN.	Rs. 35/=
STUDENT EDN.	Rs. 15/=

مطبوعاتِ النّور پرنٹرز

نام کتاب	قیمت
قبلۂ اوّل	۴۵/۰۰ "
لِسانُ القرآن (عربی خود سیکھئے)	۳۵/۰۰ "
وطن کی مٹی گواہ رہنا	۵۰/۰۰ "
تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل	۱۲۰/۰۰ "
عزیز بھٹی شہید (نشانِ حیدر)	۱۵۰/۰۰ "
تاریخ پنجاب اور افاغنۂ قصور کا کردار	۱۴۰/۰۰ "
مسلمانانِ ہند کا تاریخی فیصلہ ۱۹۴۶ء	۱۰۰/۰۰ "

نام کتاب	قیمت
المعجم المفہرس۔ قرآنی الفاظ کا انڈکس اور ان کے مادے۔ (اعلیٰ)	۴۰۰/۰۰ "
سٹوڈنٹ	۲۰۰/۰۰ "
SIR SYED AHMED KHAN AS AN EDUCATIONIST	Rs. 50/=
PRACTICAL HANDBOOK OF INCOME TAX	
PROFESSIONAL EDN.	Rs. 500/=
STUDENT EDN.	Rs. 200/=
GOLDEN JUBILEE OF THE PAKISTAN RESOLUTION	Rs. 120/=
A STUDY OF ISLAMIC WRITINGS IN PAKISTAN: Allama Ghulam Ahmad Parwez	Rs. 50/=
PAKISTAN: FROM HASH TO HEROIN	Rs. 200/=

تصنیفاتِ ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب

نام کتاب	قیمت
مظاہرِ فطرت اور قرآن	۱۳۲/۰۰ "
PHENOMENA OF NATURE AND THE QURAN	Rs. 120/=

نام کتاب	قیمت
THE HEAVENS, THE EARTH & THE QURAN	Rs. 100/=
CONSPIRACIES AGAINST THE QURAN	Rs. 120/=
GATEWAY TO THE QURAN	Rs. 60/=
FOOD AND HYGIENE IN ISLAM	Rs. 10/=
QURANOCRACY - NOT DEMOCRACY	Rs. 50/=

کتابیں ملنے کے پتے { طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور (پاکستان) فون ۸۷۹۲۴۶ ✻ مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار

country and in the world at large. Because frankly speaking, words have no meaning, unless they are put into practice. Academic debates, no doubt form part of a general process of awakening, but the sum total of all what is thought, said and enforced is directly aimed at its physical manifestation.

ABDUL WADUD.

قاسم نوری صاحب کی دو بصیرت افروز کتابیں

قرآنی انقلاب کیسے آئے گا ؟

- اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ "دینِ اسلام اس کرۂ ارض پر غالب آکر رہے گا" مگر کیسے؟
- یہ دنیا سراپا جنّت بنے گی ـــــ مگر کب، کن ہاتھوں سے اور کس طرح ؟
- وہ انقلابِ محمدؐ کیا تھا جس نے انسانی تاریخ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ ؟
- ہر شخص قرآن کے مطابق زندگی گذارنا چاہتا ہے لیکن ہم اپنی مومنانہ عملی زندگی کا آغاز کہاں سے اور کیسے کریں ؟
- آپ بھی خوبصورت بن سکتے ہیں اور کبھی بیمار بھی نہیں ہو سکتے (آبِ حیات کا راز کھلتا ہے)

ان کے علاوہ دیگر قرآنی مضامین جنہیں پڑھتے ہوئے آپ چونک پڑیں گے

خوبصورت سرورق ۰ سفید عمدہ کاغذ ۰ کمپیوٹر سے کمپوزنگ (کتابت) نفیس چھپائی ۰

قیمت:- ۵۰ روپے (علاوہ ڈاک خرچ) ـــــ آج ہی طلب فرمائیں! کتاب محدود تعداد میں شائع ہوئی ہے!

غلام احمد پرویز

ایک چونکا دینے والی کتاب ـــــ تعارف : محمد لطیف چوہدری

قیمت : ۲۵ روپے ۰ ملنے کا پتہ : "HERMITAGE" پنڈی پوائنٹ مری (پاکستان)

ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند — اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

In Islam idol worship means 'shirk' or to ascribe partners unto Allah. The Quranic word for idols is اوثان, plural of وثن. And 'wasan' means stoppage of all activity or deadlock. When the Quranic Social Order is put into practice, it produces a perpetual movement. It coincides and cooperates with the changing needs of time and this assumes the form of a dynamic movement. If at any stage its activity stops, it is turned into وثنیت or idol worship. That is the idol which is worshipped by those who suffer from mental inactivity. It is strange that we forgot this lesson and the western thinkers picked up this point. Whitehead says in "Adventures of Ideas" P.12, 'the nature of idol worship is to get satisfied with the prevalent gods". In this type of worship the apparent shapes of the rites of a mobile system are left behind but its aims and objects disappear. Religion is the mummified corpse of 'Deen'. What is the result of sticking to these life-less traditions and concepts? Again according to Whitehead, "the result of keeping stuck to the lifeless traditions is slow downfall in which the customs are repeated without any result. It leaves a mirage of civilisation but the reality disappears. (P.358).

These are the prominent features of an Islamic Social Order or Nizam-e-Mustafa. Its details are extensive. But to describe it in the briefest form, we can say:

In this Social Order none shall be left without the procurement of his basic needs, nor shall he depend on somebody for it; in it there shall be no master, no slave.

Just think over it, can there be any other social order of this world like it? That is why it is said:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ ...

(3:85)

"If any one desires any other way of life, other than Islam, never will it be accepted of him" Why? because it does not fit into the machinery of life.

Let me finish up my discussion with the request that we must do some thing, make strenuous efforts to re-establish the Islamic Social Order in one

The check of the Rasool (P.B.U.H.) himself was sufficient to keep them on the right path. And after the death of the Rasool (P.B.U.H.) it is his successors who take his place. As long as the process continues, the Islamic Social Order persists; on its discontinuation it remains no more. That leaves the Ummah to get degenerated to the level of other nations, even worse than that. This we can witness in the present state of Ummah. But there is a ray of hope. We can re-establish the Islamic Social order, because we have got the Quran lying safe with us.

But remember, it is beyond the scope of our religious leaders to establish this order; nor can it be established by means of western type politics which is the latest edition of autocracy. The Islamic Social order comes to eliminate both of them. How can they establish an order which is a death-knell for both of them. About the religious leaders the Quran says:

... قَالُوٓا إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّقْتَدُونَ

(43:22)

"They say: We found our forefathers following a certain religion and we do guide ourselves by their foot step".

In reply to it they are told:

... أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ ءَابَآءَكُمْ ...

(43:24)

"What even if I brought you better guidance than that you found your fathers following?

... قَالُوا۟ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَا ...

(5:104)

"They say enough for us are the ways we found our fathers following".

You may just think over it, if the people of this calibre can establish an Islamic Social Order. The first step towards the establishment of this order is that you test, all the old concepts, old traditions and ways of life which descend from one generation to another, on the anvil of the Quran. The foundation stone of an Islamic Social Order is لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. Here لَا إِلٰهَ means that first all the concepts descending through generations, be separated and pondered over. Without it the foundation of the new structure based on إِلَّا اللّٰهُ cannot be raised.

"And there were, in the centre of the state, nine persons who made mischief and would not reform".

If the leaders come to the straight path, the whole nation comes to the right path.

Social Justice: -- The above described is one aspect of *Adl* or the rule of law. There is another aspect which in modern terminology is called Social Justice. The term is very popular but none has defined it properly so far. Basically, it is said that it means a society where every one gets what is due to him. But the question arises, as to how to decide that so and so has got so and so a right! To ascertain as to what is due to so and so a person, is a difficult task and, from it arise all complications. Some people maintain that a certain individual is entitled to get according to the valid moral principle. But the question as to what are these moral principles again remains unsolved. As a matter of fact the answer does not lie in the man-made laws. It needs a measure which is above such laws, mutual contracts and traditions.

What is the guarantee?

There is yet another question which arises in the end. What is the guarantee that the social order described above shall persist and that the individuals belonging to Muslim Ummah, responsible for its establishment shall remain steadfast? As a matter of fact, nobody can guarantee, but the social order presented by the Quran is such that there is very little chance for people going astray, after it gets established, because -- (1) The individuals in the descending order, are brought up in such a way that each gets the development of his or her Self. That is the basic issue. It means that the individuals, get adopted to the Quranic pattern of life from their early childhood and this process goes on through an ancestoral line. (2) The system is in the hands of those individuals who are bound by the permanent values of the Quran (3) They individually act upon: (103:3) وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ i.e. the mutual teaching of truth and of patience and constancy. In this way they keep a check on one another and see that they are steadfast as well as on the right path. (4) The Ummah is organised in such a way that:

... لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ...

(2:143)

"That you might be witness on the other nations and the Rasool (P.B.U.H.) witness over yourselves".

When caliph II, Hazrat Umar got the information that the governor of Egypt punished his own son inside the house, but not publicly, he sent for him and repeated the punishment in public. When the son of the same governor bet an Egyptian with a stick telling him at the same time that you have been insolent to the son of a great man; Hazrat Umar sent for all three of them, the governor, his son and the Egyptian; and asked the Egyptian to beat the son of the governor with the same stick, telling him at the same time to see where the son of a big man stands. Hazrat Umar also reprimanded the governor, telling him that if he had brought up his son properly, the devil, that he is the son of a big man, would not have entered his brain.

Once Hazrat Umar himself had to attend a court, when the judge offered him a separate prominent seat. Hazrat Umar refused to accept it, and sat besides the opposite party. After the case was adjourned, he wrote to the judge that he was not fit for his job because he did not consider the 'Ameerul-Momineen' and a common citizen as equals.

That is the state of affairs regarding a court of law in an Islamic state. But in addition to that a psychological change occurs amongst the individuals - If anybody happens to make any mistakes, he presents himself at his own free will, for punishment. That is because he gets a firm impression that he has been witnessed by Allah Almighty and that witness is such that:

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ

(40:19)

"He knows the traitor of the eye and that which the bosoms hide".

Where to start with?

But such a psychological change in the individuals of the society can occur only if those who hold the reins of power, bring about a change in their own character; or in other words only if those individuals be entrusted power, in when such a change has already occurred. People submit to the rule of law only when those in power submit to it themselves. If those in power are on the right path, the entire nation comes to the right path. And if those in power become corrupt, the entire nation becomes corrupt:

(27:48) وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ

"When nobody shall avail another (against the rule of law), nor shall intercession be accepted for him, nor shall compensation be taken from him, nor shall anyone be helped (from outside)".

In this Social Order sinners cannot conceal themselves, because they shall be known by the marks on their faces:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ ...

(55:41)

"For the sinners will be known by marks on their foreheads".

The arrangement in this period shall be such that the sinners shall be recognised separate from others. Thus these shall be left little chance of deception:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝

(36:59)

"And you sinners get you apart this day".

In this period none shall be spared from punishment -

... وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ...

(6:164)

"Every soul shall draw the mead of its acts on none but itself.

... وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ...

(6:164)

"And no bearer of burden bears the burden of another.

In an Islamic Social Order even the biggest personality shall not be spared from penalty. Thus in the words of the Rasool (P.B.U.H.) himself it is said:

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

(6:15)

"Say! 'I would, if I disobeyed my Rabb, indeed have fear of the penalty on this mighty day".

"The earth will shine with the glory of its Rabb".

ADL - As stated earlier, *Adl* or justice is the aim of the Islamic Social Order. To decide every disputed issue according to law is one facet of *Adl*. In this matter those in power are advised as follows --

(38:26) ... إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ ...

"We did indeed make you successors in the earth, so you judge between men in truth (and justice), not follow you the lust (of your heart)".

There is a point which needs clarification. It has been said above, "Decide matters of dispute according to law". But if the law itself is not based on justice, how can the decision based on it be said to be just. If sentiments can affect the enforcement of *Adl*, why can they not affect the law-making itself. That is why in an Islamic Social Order no-body has got the right to make laws; here all the basic laws are preserved inside the pages of the Quran; and the duty of the state is the enforcement of such laws, according to the needs of time and circumstances. That is why the Quran has said:

(5:44) ... وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

"If any fail to judge by (the light of) what Allah has revealed, they are unbelievers".

Accordingly in an Islamic State, all decisions shall be made according to the Quranic laws. That is what is meant by the word '*Adl* -

(7:159) ... وَبِهِ يَعْدِلُونَ

"They do justice in the light of Truth".

Neither personal inclination of the judge, nor any outside influences affect the decision:

... يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ

(2:48) مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ

order is a blessing for the whole of humanity. Its splendid objective is to bring the entire humanity into a universal brotherhood:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ
وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ... (2:213)

"Mankind was but one single nation and Allah sent massengers with glad tidings and warnings and with them He sent the Book in truth, to judge between people wherein they differed.

System of peace and Justice: -- The aim of Islamic Social Order is the establishment of justice thought the world:

(57:25) ... لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ...

"That man may stand forth in justice".

And also the establishment of peace:

... وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ
(2:60)

"And do no evil or mischief on the (face of the) earth".

Those who come forward to establish the social order are informed of the basic principle for survival:

... وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ...
(13:17)

"All that is useful to humanity remains on the earth".

That is why the nourishment of humanity is considered to be the basic principle of the Islamic Social Order. To gain this objective the people shall go on cooperating with one another in matters of broad mindedness and in matters consistent with the divine law; but not cooperating in matters of sin and enmity; until,

(39:69) وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا ...

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ
وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

(3:105)

"Be not like those who are divided amongst themselves and fall into disputations after receiving clear signs, for them there is an awful doom".

To get the differences removed is the Rahmat of Allah:

... وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ

(11:118-119)

"And they will not cease to dispute except those on whom He has bestowed His 'Rahmat'."

In an Islamic Social Order people shall instruct one another in truth and constancy:

... وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

(103:3)

"Join together in mutual teaching of truth and of patience and constancy.

And shall cooperate with one another:

... وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ...

(5:2)

"You cooperate with one another in matters of broad mindedness and matters consistent with the divine laws".

Accordingly the system of western democracy in which the unbounded rights of law making are entrusted to the Legislative Assembly is contrary to the Islamic Social Order and the division into Government and opposite parties is an عذاب a dreadful penalty from Allah.

Universal Brotherhood: -- To begin with, an Islamic State starts in a particular territory so that it becomes a laboratory for testing the results of the experiments. The delightful and constructive results of these experiments do not keep limited to this territory. Its circle expands. Accordingly this social

This is one of the basic principles of the Quran. But these basic principles provide only the boundary line for human actions. The day to day problems are discussed and solved within the four-walls of these principles, by mutual consultation.

Party System: -- According to the holy Quran, the entire Ummah is one party. The presence in it of religious sects or political parties is a شرک which means to ascribe partners unto Allah:

... لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

(30:31-32)

"Be not among those who follow laws other than His and thus set up peers to Allah (i.e.) be not of those who create cleavage in their Social Order and resolve themselves into various sects, where each sect is obsessed with its own view of it".

Again the Rasool (P.B.U.H.) is addressed by saying:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ
إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

(6:159)

"Those who create difference in Deen (i.e. the way of life prescribed by Allah) and divide themselves into sects (O Messenger of Allah|!) You have nothing to do with them. Leave their affairs for the law of Allah to decide. That with tell them how they had acted".

The solidarity of Ummah is the basic requirement of 'Deen'. Allah commands:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ...

(3:102)

(O you who believe!) Hold fast all of you together to the cable of Allah (i.e. the way of life Allah has prescribed for you) and be not divided amongst yourselves".

Division into parties and sects creates differences which is عذاب or dreadful penalty:

there is any state in the world which could possibly admit as partners those who do not accept its constitution, shall it not be strange that whereas the object of an Islamic State shall be to put into practice the divine laws and to achieve this objective they shall accept as partners those who are against the objective itself?

Kind treatment with the non-Muslim living in an Islamic State: -- But it by no means follows that non-Muslims have no rights in an Islamic state. They shall have all the rights which the Quran declares as basic human rights. Their life, property, honour and places of worship shall be protected. They shall have the religious freedom. They shall be treated kindly (60:8). As a matter of fact, in one way, they shall even be in a better position than the Muslims. When an enemy attacks a Muslim country, the Muslim armies shall protect the places of worship of non-Muslims (22:40). In case the non-Muslims of an Islamic state want to migrate to a non-Muslim country, they shall be provided security to reach their destination:

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ
(9:6) حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

"If one amongst the Pagans ask thee for asylum, grant it to him, so that he may hear the word of Allah and then escort him to where he can be secure: that is because they are men who do not know (the benefits of remaining in an Islamic State)".

But if they stay in an Islamic state and at the same time rebel against its constitution, they shall be punished for the rebellion (5:36). The punishment for rebellion is the same whether he be a Muslim or a non-Muslim.

System of consultation: -- As it is apparent from the above description, the organisation of state affairs in an Islamic Social Order shall be the responsibility of Muslim Ummah who shall carry it out by mutual consultation:

(42:38) ... وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ...

"Affairs by mutual consultation".

working of its government, nor can they be relied upon in the case of secrets of the state. The Quran has fully clarified this point when it is said:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ
مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ (3:118)

"O ye who believe! Take not into intimacy those outside your ranks. They will not fail to corrupt you. They only desire your ruin: rank hatred has already appeared from their mouths: what their hearts conceal is far worse. We have made plain to you the signs, if you have wisdom.

هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا
وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ (3:119)

"Ah! you are those who love them. But they love you not, - though you believe in all the books (yours and theirs). When they meet you they say, "We believe (in your ideology)" but when they are alone, they bite off the very tips of their fingers at you in their rage. Say: Perish in your rage: Allah knows well all the secrets of the heart".

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ
وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (3:120)

"If ever a good befalls you, it grieves them. But if some misfortune overtakes you, they rejoice at it. (Remember!) if you are constant and take measures in order to protect yourselves, not the least harm will their cunning do to you, for Allah compasses round about all that they do".

Other verses of the Quran related to this subject are (3:27, (60:1-4), (9:23-24).

That is no short sightedness: -- Some people object to the above-said concept and consider it to be short sightedness. But no system based on ideology shall accept, as partners in state affairs, those who are against that ideology. Not to speak of ideology, even in the current democratic governments the party in power does not allow the opposition party to take part in the administration. But in the case of Islam the matter goes further. The constitution of an Islamic state is its ideology. Those who do not accept its ideology, as a matter of fact do not accept its constitution. Now just consider, if

circle of this nation, although they reside in the same country. The Quran has divided humanity on the basis of this standard.

(64:2) هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ ...

"It is He Who has created all of you, some of you are non-believers and some of you are believers".

The Quran presents this ideology to the entire humanity, irrespective of colour, race, country, language and religion and asks them to ponder over it, and thus by their own free will either accept it or reject it. In this way the Quran has opened the door for entry into the Islamic Ummah and for becoming a part of it. Any body who wants to join, may do so:

(73:19) إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

"Verily this is a reminder, therefore whoso will, let him take a (straight) path, to (proceed towards) his Rabb". After joining this Social Order, he shall be responsible for his own act. This has been made clear by saying:

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ
(35:39) الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا

"He it is Who has made you inheritors on the earth: if then; any do reject (Allah), their rejection (works) against themselves: their rejection but adds to the odium for the unbelievers in the sight of their Rabb: their rejection but adds to (their own) undoing".

It means that those who have rejected the ideology, cannot share the benefits enjoyed by those who have accepted it, becasue these benefits are the results of their accepting the responsibilities laid down upon them. If the rejectors have remained at a loss, they must bear this loss. By rejection they have closed the doors upon themselves, of growth, development and stability. However, if at any time they feel that they have done wrong, they can enter the Social Order without any hinderance, by accepting the ideology.

The non-believers shall not take part in the secrets of an Islamic state--

Non-Believers who live within the boundaries of an Islamic state, if they do not accept the ideology of the state, they cannot take part in the

As a matter of fact Islam is not a relgion. It is a "way of life" (Deen). It does not consider any religion as its opponent, and thus allows people to choose their own religion. But at the same time it does not allow any other 'way of life' to be introduced within an Islamic State, which amounts to a state within a state.

As far as the freedom of choice of religion is concerned Islam goes even beyond that. The holy Quran enjoins upon believers to protect the non-believers and their places of worship:

... وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (22:40)

"Had not Allah checked one set of people by means of another, there would surely have been pulled down monasteries, churches, synagogues and mosques in which the name of Allah has been commemorated in abundant measures".

Not only that, the Quran insists upon the believers not to call bad names to those whom the non-believers worship, lest they begin to call bad names to Allah. Every body likes his own way of worship as well as those whom he worships. Your duty is to place the truth before them. When they find the truth by way of their own knowledge and vision, they shall automatically leave the false gods. Thus it is said:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ
كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (6:108)

"You revile not those whom they call upon besides Allah, lest they out of spite revile Allah in their ignorance. Thus have We made alluring to each people its own doings. In the end they will return to their 'Rabb' and We shall then tell them the truth of all that they did".

In the modern politics of the world, individuals form a nation on the basis of a common race or locality, particularly the former. It means that all individuals living in a country, inspite of having different creeds, form a nation. But according to the holy Quran, a nation comes into being on the basis of ideology; which means that those people who believe in the Islamic ideology form one nation, and those who do not believe in it are outside the

"And if any one saved a life, it would be as if he saved the whole mankind".

Religious Freedom: -- In an Islamic Social Order there is no compulsion for belief in the Quranic fundamentals. A decision that is not willful is not a decision. Thus non-believers are under no compulsion to join the ranks of believers:

لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَىِّ ...

(2:255)

"There is no compulsion to follow the way of life based on Quranic fundamentals. The right direction is, henceforth, distinct from error". There is freedom of choice whether you follow this way or that way:

(18:29) ... وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ...

"Say: (It is) the truth from the 'Rabb' of you (all). Then whosoever will, let him believe, and whosoever will, let him disbelieve".

The Holy Quran has made it clear that there is a difference between human beings and the rest of Allah's creation which is bound to follow the way of life prescribed for them by the Creator. Man, on the other hand, has been bestowed the freedom of choice and will-power. He may choose the right or wrong path but the results of right or wrong are not in his control. The Quran addresses the Rasool (P.B.U.H.) as follows:

(10:99) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَءَامَنَ مَن فِى ٱلْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا۟ مُؤْمِنِينَ

"If it had been your Sustainer's will, they would all have believed, -- all who were on earth. Will you then compel mankind against their will to believe?"

Thus if it were Allah's will, all mankind would have followed the same path like sheeps, goats and all other creatures but the development of human personality depends on the freedom of choice, so he is allowed to make his own decisions.

"And if any one saved a life, it would be as if he saved the whole mankind".

Religious Freedom: -- In an Islamic Social Order there is no compulsion for belief in the Quranic fundamentals. A decision that is not willful is not a decision. Thus non-believers are under no compulsion to join the ranks of believers:

لَآ إِكْرَاهَ فِى ٱلدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَىِّ ۚ ...

(2:255)

"There is no compulsion to follow the way of life based on Quranic fundamentals. The right direction is, henceforth, distinct from error". There is freedom of choice whether you follow this way or that way:

... قُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ...

(18:29)

"Say: (It is) the truth from the 'Rabb' of you (all). Then whosoever will, let him believe, and whosoever will, let him disbelieve".

The Holy Quran has made it clear that there is a difference between human beings and the rest of Allah's creation which is bound to follow the way of life prescribed for them by the Creator. Man, on the other hand, has been bestowed the freedom of choice and will-power. He may choose the right or wrong path but the results of right or wrong are not in his control. The Quran addresses the Rasool (P.B.U.H.) as follows:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَءَامَنَ مَن فِى ٱلْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ ٱلنَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا۟ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾

(10:99)

"If it had been your Sustainer's will, they would all have believed, -- all who were on earth. Will you then compel mankind against their will to believe?"

Thus if it were Allah's will, all mankind would have followed the same path like sheeps, goats and all other creatures but the development of human personality depends on the freedom of choice, so he is allowed to make his own decisions.

and for their offspring. But the Islamic way of life is different in this respect. Here the nourishment of individuals is the responsibility of the state:

(22:41) ... الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ ...

"Those who if We establish them in the state, establish a social order based on divine laws and provide nourishment (to the individuals)". It is said further:

(11:6) وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا ...

"There is no moving creature on earth but its sustenance depends on Allah".

It must be understood that the responsibilities which Allah has taken upon himself, become the responsibilities of the state based on the Quranic laws. Thus it becomes the responsibility of an Islamic state that no individual remains without means of nourishment. An Islamic Social Order proclaims loudly:

(6:152) ... نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ...

"We shall provide sustenance for you and for them (your offspring).

As far as the provision of sustenance of the children is concerned, it also includes their proper education and upbringing. When the Quran says: (6:152) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ "Kill not your children in plea of want", it does not mean only causing physical death, but also to deprive them of education and upbringing.

Safety for life: -- The provision of safety for life is the prior responsibility as compared with the provision of sustenance. The Quran declares loudly: (6:152) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ "Take not life which Allah has made sacred, except by way of Justice and Law".

(5:32) ... أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ...

"If any one slew a person, unless it be for murder or for spreading mischief in the land, it would be as if he slew a whole people.

(5:32) ... وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ...

"O you who believe! You are forbidden to become masters of women forcibly".

Let us also clarify another point in this respect --

After marriage the rights and responsibilities of a man and a woman are equal, with a single difference that a married woman is not allowed to have a second marriage for a period of four months after the death of her husband or divorce from him. While the husband is allowed to remarry immediately after the death of his wife. The reason is apparent. If the women is pregnant at the time of the death of her husband or divorce, the question of ancestory and the rights of the child in the womb, crops up.

Aesthetic tastes: -- The Islamic way of life respects the individual aesthetic tastes and does not deprive any body of his rights:

(7:32) قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ...

"Say to them! who can declare to be 'Haram' the beautiful (gifts) of Allah, which He has produced for His servants, and the things clean and pure which He has provided for sustenance".

Keeping within limits laid down by Allah, it is the human right of every individual to fulfil his or her aesthetic taste. As a matter of principle anything not laid down by the Quran as 'Haram' cannot be declared as 'Haram'. That amounts to the denial of human freedom and no body has got the right to do so. The Quran allows a beautiful dress of your choice:

(7:26) يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ...

"O Mankind! We have bestowed raiment upon you to cover your shame, as well as to be an adornment to you". The Quran allows even such amenities of life as vessels of silver and beakers of glass, (bright as) glass, but (made) of silver (76:15-16); Also armlets of gold and robes of finest silk and heavy brocade (18:31), in a life of 'jannah' which, by following an Islamic way of life, starts in this world and continues in the hereafter. Thus the Quran allows a highest standard of living, but equal for all individuals, not for a particular set of people.

Right of subsistence: -- In all other systems of life, it is the responsibility of individuals to procure means of nourishment for themselves

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً
وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

(24:4)

"And those who launch a charge against chaste women and produce not four witnesses (to support this allegation) flog them into eighty stripes; and reject their evidences ever after, for such men are wicked transgressors".

Those who tease chaste women and let-loose wicked propaganda against them in order to stir up the sentiments of the people around them, the punishment prescribed for them is that they should be turned out of the city in which they reside, prosecute them and put them to death:

لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ
ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا

(33:60-61)

"Truly, if the hypocrites and those in whose hearts is a disease, and those who stir up sedition in the city, desist not, We shall certainly stir thee up against them: then will they not be able to stay in it as your neighbours for any length of time. They shall have a curse on them; wherever they are found, they shall be seized and put to death (without mercy)".

This is followed by saying:

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا

(33:62)

"(Such was) the practice (approved) of Allah among those who lived aforetime. No change will thou find in the practice (approved) of Allah".

Right of selection in the case of marriage: -- Marriage is a contract between two adults, by mutual consent only. It is not allowed to compel some one for marriage. The Quran says:

... فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ ...

(4:3)

"Marry women of your choice".

But this is soon fallowed by prescribing the protection of the right of women by saying:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ...

(4:19)

Equality of sex: -- When the Quran says 'All human beings are worthy of respect by birth, both males and females are included in it. Neither man is superior to a woman by virtue of being a man, nor a woman is inferior to man by virtue of being a woman. The life of both starts from نفس واحدۃ a fertilized ovum or Zygote, in the production of which both a man and a woman are equal partners خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ. "We have created you from a single cell, Zygote.

... إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ ...

(49:13)

"Verily We have created you from a male and a female". There is no aspect of human life which opens the door to one sex and not the other. The biological difference between a man and a woman is to fulfil their physical functions but there is no difference between them from human point of view. The field of action and the results of their deeds are the same for both sexes:

... لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ...

(3:194)

"Never will I allow the work of any of you go waste, be he a male or a female. You proceed from one another".

You are the same by creation, you are the same by nature. You take part in all affairs of life, you are the members of the same species; then how can there be a difference in the results of your deeds

Chastity: -- Chastity is the most valuable possession of man. This is the highest value which is the characteristic of human beings only. It is nonexistent in animals. Sexual relationship is the natural instinct which is common to both man and animals but the demand of chastity comes in at the human level. That is why the Qruan has given it the status of a permanent value and any infringement of this law is considered to be a crime. The Quran places it in the category of human rights. The punishment for adultery is severe:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ ...

(24:2)

"The woman and the man, guilty of adultery or fornication -- flog each of them with a hundred stripes: let no compassion move thee in this case".

This punishment is not confined to adultery only, it is also prescribed for those who launch a charge against chaste women:

... وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (9:34)

"And there are those who bury gold and silver and spend it not in the way of Allah. Announce unto them a most grievous penalty".

And as regards the system of government it is said:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ
وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ (3:78)

(The fundamental principle of 'Deen' is that) "no human being, even though Allah may have given him a code of laws or the power to enforce it or even 'Nubuwwat' -- has the right to say to others, 'you should obey me rather than Allah'. What he should say is,"you should be amongst those who belong to Allah by following His Book which you study and teach to others".

Thus the Quran has given the basic principle that no human being has got the right to rule over other human beings. The rule shall be that of law only and the law shall be the one prescribed by Allah. The 'Rasool' (P.B.U.H.) used the word عمّال workers for the government functionaries instead of حکام rulers.

Respect for Humanity: -- Although freedom from slavery is a great achievement yet it is a negative aspect. It is the لا part of the Quranic way of life. The الاّ part begins with the proclamation (17:70) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ "We have honoured the humanity as a whole". Which means that all human beings are equal by birth and are worthy of respect. There is no distinction between man and man by way of nationality, descent, wealth and poverty, and language etc. Thus in practice no Islamic government can make a law, nor the society can give a concept in which a certain person can be considered respectful or disrespectful. The criterion of respect in society are the virtues of an individual.

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ... (46:19)

To consider all men worthy of respect by birth, to provide means of nourishment equal to all individuals and rank them according to their deeds is the first fruit of the Islamic Social Order. It eliminates all distinctions caste, sub-castes and descent etc.

But from the point of view of Islamic Social Order, even the Islamic State is not the ultimate goal. An Islamic State is meant to give the permanent values provided by the Quran, a political shape in the society.

It has been said above that the structure of an Islamic Social Order can be raised on the basis of change in the personalities of individuals. That does not mean a psychological change. The concept of 'Nafs' or 'Personality', according to the holy Quran is a different thing altogether. Man comprises not only a physical body but also a 'self' or 'personality. The development of human 'personalty' is controlled by human actions. Every action is rewarded. An act may be good or bad. A good act is one which is consistent with the Divine Laws. A bad act is one which is inconsistent with the divine laws. A good act produces a positive or constructive effect on human personality and a bad act has a negative or disintegrating effect. Human body ends with the physical death and a developed human personality passes on to its next evolutionary stage in the life hereafter.

After these introductory remarks about the Islamic Social Order, now let us turn towards its distinguishing features --

Freedom from slavery: -- The foremost distinction of this system is that it is a death-knell for all kinds of slavery. The mission of the 'Rasool' (P.B.U.H.) was to release humanity from the heavy burdens and the yokes that were upon them (7:157). These heavy burdens and yokes are the means of exploitation by the 'Pharaohs' or the political exploiters, by the 'Hamans' or the religious or intellectual exploiters and the 'Qaroons' or the economic exploiters. About the religious exploiters the Quran says:

... إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

(9:34) ... وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

"There are indeed many amongst the priests and anchorites who in falsehood devour the substance of men and hinder them from the way of Allah".

They often create obstacles in the way of establishment of a Quranic Social System because in this system they themselves become a non-entity. And about the capitalists (Qaroons) the Quran says:

(3:164) ... وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ...

"To provide nourishment to the human 'self' of the individuals, to instruct them in laws and basic principles of the Quran and to teach them its aims and objects". Thus the Rasool (P.B.U.H.) spent nearly 60 per cent of the duration of his life as a 'Nabi' in carrying out this programme, because it was impossible without it to establish 'Nizam-e-Mustafa.' No further step was taken towards its establishment, until a change was brought about in some three to four hundred persons. What is the result of this change in personalities? It brings about a change in the measure of values. For example, if the angle of vision is wrong, the measure of respect for an individual shall be his wealth, his ancestry, his status in life etc. But when the values get changed, the measure of ones respect shall be his personal character, his piety and the height of his activities in the right direction. The aim of life of the messengers of Allah was to change the measure of values in human life. Every messenger of Allah came to build a new world for the humanity. It is apparent that to bring about this change, it requires the change in the mental outlook of individuals, a revolution in human ideas.

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

"The creation of a new-world depends on the creation of new ideas. It can not be brought into existence by bricks and stones".

A messenger of Allah brings about a change in the angle of vision, a change in the measure of values, a change in the measure of what is right and what is wrong, a change in the ultimate objective of life, and in the words of the Quran a change in the heavens and a change in the earth; and a messenger of Allah brings about this change by the creation of a new world and a new heaven. He brings about an earthquake in the human ideas, dismantles the old world full of misery and exploitation and replaces it by a world of peace and plenty. That is what we call a basic feature of an Islamic Social order. It can not be brought about by introducing certain prohibitions and punishments.

This concept of change of personalities, no where exists in the modern world. The aim of our religious leaders is the mechanical replacement of certain laws and the aim of our politicians is nothing more than to gain power. Both of the groups are not in a position to bring about an Islamic Social Order. At the most they can produce a slogan of making Pakistan an Islamic State.

think beyond fiqah laws ands injunctions: And because these fiqah laws are different amongst different sects, they are unable to produce even a limited concept of an Islamic Social Order. That is why, although they use the words Nizam-e-Mustafa as a slogan, yet they are unable to explain it. Late Abul Ala Maudoodi had declared long ago that no interpretation of 'Kitab-o-Sunnah' common to all sects can be presented on the basis of fiqah laws. So if a common interpretation of 'Kitab-o-Sunnah is not possible, how can a Common Social Order be presented by them?

Difference between Injunctions and Social Order --

The injuctions and punishments can be made to understand in a few words, but a Nizam or a system of life has such a wide concept that even the holy Quran has mentioned it in a metaphorical term and has called it صبغة الله (2:138) "Colour of Allah". It is difficult to explain a colour in words. Anybody who has not seen a green colour, you cannot explain to him by means of words as to what it is. The Quranic example of صبغة الله is comprehensive and all embracing. When you rinse a cloth in a certain dye, every fibre of it takes up the same colour. Similarly in an Islamic Social Order all individuals assume uniformity in their life pattern. That is the first and foremost condition of an Islamic Social Order.

Consequently, not to speak of the establishment of an Islamic Social Order, you can not even think of it in a society divided into sects, parties and groups.

'Nafs' or Personality of the individuals --

The question arises as to how the Muslim Ummah can assume a uniformity of colour. The holy Quran says that such a uniformity can take place by means of a change in the 'Nafs' or personality of individuals. Thus it is said:

إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم

(13:11)

"Verily Allah will never change the condition of a people, until they bring about a change in their inner-selves". This change in 'Nafs' or personality occurs by pondering over the Quranic teachings. The duty of the Rasool (P.B.U.H.) was:

بسم الله الرحمن الرحيم

ISLAMIC SOCIAL ORDER
(NIZAM-E-MUSTAFA)

WHAT IT IS AND HOW TO ACHIEVE

A number of slogans came into being in Pakistan, such as Nizam-e-Islam, Nizam-e-Shariat, finally Nizam-e-Mustafa, representing the social order that was established by Muhammad (P.B.U.H.), the last Rasool of Allah. Inspite of its frequent utterances, very few people came to know what is actually meant by it. These slogans started with the appearance of Pakistan on the map of the world, because the country came into being in the name of Islam. A large number of political parties appeared on the scene and each one of them made this slogan a part of its manifesto. Thus the Islamic Social Order, as a goal of the political parties, assumed the shape of a rhetoric. Yet inspite of this common goal the political as well as the religious parties remained at daggers drawn with each other. Not only the parties, even the individuals remained so much divided in their thought and action that after every few years an emergent situation arose in the country. After all, what is the cause of this frequent turmoil? The cause is that we have left to think over matters of vital importance. The foremost question is what is meant by an Islamic Social Order or Nizam-e-Mustafa? What are the clear outlines of this social order? Shall it be the same for the entire Ummah or different for the different sects? Next question is what is the authority on which this social order is based? Neither the people ever cared to ask this question, nor the religious sects cared to explain it. The demands often put forward by our religious leaders have been as follows -- The Government should prohibit wine, gambling, races, lewd literature, cinemas etc.; 'sharai' punishments should be introduced in order to check the crime or 'Munkirat' which means the acts against the divine law. The question arises, will the state of Pakistan become Islamic after these checks and prohibitions are made the law of the land? Is that the ultimate objective of an Islamic Social Order? The 'Sharia' punishments are true indeed. But I may be excused for asking this question that if any non-Muslim state makes these punishments the law of the land, shall it become Islamic? The real situation is that our religious leaders have trnsformed Islam into religion instead of 'Deen' or a way of life. They have no concept of a Social Order in their system of education. They have ceased to